

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاَقْصِصْ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱۷۶)  
انہیں انکی داستان سناؤ تاکہ یہ سوچیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوا

اے دوست سنائے جا

# بھولے ہوئے افسانے !

ایم پاکستان کی تقریب — منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء

پر — پرویز صاحب کا خطاب — جس سے

فراوانی کردہ حقیقتیں سامنے آگئیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# بھولے ہوئے افسانے

قوموں کی زندگی میں بعض ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو تاریخ کے دھارے سے کارخ بدل دیتے ہیں۔ ہم آج اسی قسم کے ایک عظیم واقعہ کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل تو طویل ہے لیکن اسے اگر سمٹا کر بیان کیا جائے تو وہ ان چار لفظوں میں سمو جائے گی کہ یہ واقعہ "ایک عزم کا اظہار" تھا۔ دنیا میں ہر قابل یادگار واقعہ کی عمارت، عزم کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ عزم کے معنی کیا ہیں اسے سمجھ لینا ضروری ہے۔ اپنے پیش نظر مقصد کی صداقت پر یقینی محکم، قرآن کریم کی اصطلاح میں ایمان کہلاتا ہے۔ اور جب اس مقصد کے حصول کا ارادہ کیا جائے تو اسے عزمِ راسخ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جو اعمال صالحہ کو ایمان کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ جب تک اپنے مقصد کی صداقت پر یقین کامل نہ ہو، وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ انفرادی مقاصد کی طرح اجتماعی مقاصد کی بھی یہی کیفیت ہے۔ تاریخ اس حقیقت کی شہادت دیتی ہے کہ کوئی بلند مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پیچھے ایسا مرد نہیں گداز نہ ہو جس کا عزمِ چٹان کی طرح محکم ہو کہ حوادثِ زمانہ کی تلاطم انگیز موجیں آئیں اور اس کے ساتھ اپنا سر ٹکرا کر فاسر و نامراد لوٹ جائیں۔ عزمِ راسخ کے ایسے ہی فولادی پیکر کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ:

مردِ خود دار سے کہ باشد بختِ کار	بامزاج اور بسا قدر و زنگار
گر نہ سازد بامزاج اور جہاں	می شود جنگ آزما با آسمان
بر کند بنیادِ موجودات را	می دهد ترکیبِ نو ذرات را
می کند از قوتِ خود آشکار	روزگار نو کہ باشد سازگار

ایک ایسا ہی مرد خود دار اور بختہ کار تھا جس نے آج سے اسیالیس پہلے اپنے اس عزمِ بلند کا دلہا اظہار کیا کہ ہم، مسلمانانِ ہند کے لئے ایک جداگانہ آزاد مملکت قائم کر کے دیں گے۔ اور یہی ہے وہ تقریب جس کی یاد منانے کے لئے ہم یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس عزم کا اعلان مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ سال ۱۹۴۷ء میں کیا گیا تھا۔ جب اس اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا تو مخالفت کی قوتیں چاروں طرف سے هجوم کر کے اُمنڈ آئیں۔ مسلمانوں کے لئے ایک آزاد مملکت کا تصور تو اس سے دس سال پہلے (۱۹۲۷ء)

میں علامہ اقبالؒ نے پیش کیا تھا۔ لیکن اُس وقت انہوں نے بیگانوں، سب نے اسے ایک شاعر کا خواب قرار دے کر درخورد اعتنا نہ سمجھا۔ لیکن اب جو انہوں نے دیکھا کہ اس خواب کے حقیقت بنانے کے ارادے ہو رہے ہیں تو مخالف قوتیں متحدہ محاذ بنا کر صف آرا ہو گئیں۔ ان کی پہلی کوشش یہ تھی کہ اس اجلاس کو منعقد ہی نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے کیا کیا حربے استعمال کئے، ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ان کے ترکش کا آخری تیرہ ۱۹ مارچ کو (یعنی اجلاس کی تاریخ منعقاد سے دو ہی روز پہلے، جبکہ اجلاس کی تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں) حکومت کے ساتھ خاکساروں کا ٹکراؤ ہوا۔ اور اس مردِ پختہ کار کے عزمِ آہنی کے ساتھ تصادم نہیں سے شروع ہو گیا تھا۔ یہ پس ماندہ کاروانِ تحریکِ پاکستان اس کا عینی شاہد ہے۔ مجھے لاہور کے اس حادثہ، فاجعہ کی اطلاع ذرا پہلے مل گئی تھی جسے قائدِ اعظمؒ کے گوش گزار کرنے کے لئے میں بھاگے بھاگے ملے اور گنت روڈ، نئی دہلی، پہنچا۔

### اجلاس ہو کر رہے گا

وہ منظر اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں قائدِ اعظمؒ سے اس موضوع پر باتیں کر رہا تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے رسیور اٹھایا۔ مجھے اندازہ تو خود ہی ہو گیا تھا لیکن بعد میں قائدِ اعظمؒ نے بتایا کہ لاہور سے، نواب شاہنواز مرحوم ————— چیئرمین، استقیا لیکٹیو کا فون تھا۔ اُدھر سے کیا کہا جا رہا تھا، اسے تو میں سن نہ سکا، لیکن ادھر کیفیت یہ تھی کہ ایک ایک فقرہ یہ، یہ شکوہ جلال کے ساتھ کہ آساعزم و اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ آخری فقرہ کچھ اس طرح کا تھا کہ خواہ مارشل لا نافذ ہو یا کہ فیوگے۔ یہ اجلاس منعقد ہو گا۔ اور ہر حال میں ہو گا۔ میں پروگرام کے مطابق پہنچ رہا ہوں۔

اور وہ پروگرام کے مطابق وہاں پہنچے ————— زندگی کی بعض سعادتیں اور مسرتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ جن مسرتوں سے میں اپنی زندگی میں بہرہ یاب ہوا ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے، کاروانِ طلوعِ اسلام کے سرخیل کی حیثیت سے قائدِ اعظمؒ کے ہم سفر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ لاہور میں حالات کس قدر تو وحش انگیز اور بالورس کن تھے، اس کے تذکرہ کا یہ مقام نہیں۔ میں اس وقت کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس قدر نامساعد حالات کے باوجود، وہ تاریخی اجلاس اس قدر کامیاب ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اُس زمانے کے سنٹر پارک اور بعد کے اقبال پارک میں مینارِ پاکستان کے مقام پر اجلاس کا وسیع و وسیع پیمانہ ہوا اور اس سے متصل طلوعِ اسلام کا خیمہ جو اجلاس کے وقفوں کے دوران، متعلقہ محاذ کی آماجگاہ تھا ————— کیسے عمارت روزگار تھے وہ دن، اور کس قدر حسین ہیں ان کی یادیں!

ان حالات میں وہ ریزولیشن پاس ہوا جسے قرار دادِ پاکستان کہہ کر بکارا جاتا ہے۔ اس دن، انگریزی کے لفظ (RESOLUTION) کے معانی صحیح طور پر سمجھ میں آئے۔

(۱)

اس ریزولیشن کا رد عمل کیا ہوا، اس کی تفصیل میں جانے کے لئے سفینہ درکار ہو گا۔ میں دو چار مثالوں

پراکتفا کروں گا۔ اس کے خلاف سب سے پہلی آواز مسٹر گاندھی کی طرف سے اٹھی۔ انہوں نے کہا:۔

گاندھی کی طرف سے رد عمل

میں پوری جرأت اور جسارت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے ہیں، بلکہ وہ اس پنبہ کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو لفظ اسلام کے اندر پوشیدہ ہے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ چورہا ہے اس سے میرے دل پر سخت ٹھیس لگ رہی ہے۔ میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کوتاہی کروں گا اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ بانی سے متنبہ نہ کروں جس کا اس نازک وقت میں ان میں پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔

(ہندوستان ٹائمز - ۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء)

مسٹر گاندھی نے جو کہا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک الگ ملک کا مطالبہ، اسلام کے خلاف ہے، تو یہ ان کی اپنی آواز نہیں تھی۔ یہ ان کی تمام جماعتوں اور گروہوں کی صدا ہے بازگشت تھی جو مطالبہ پاکستان کو خلاف اسلام قرار دے کر اس کی مخالفت میں خون ریزینہ ایک کر رہے تھے۔ (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) جمعیت العلماء ہند (بالخصوص اس کے صدر، مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) سر خورشید احمد (مرحوم) مودودی صاحب (جن کی جماعت ہندو وجود میں نہیں آئی تھی اور جو پاکستان کو "مسلمانوں کی کافرانہ حکومت بلکہ اس سے بھی بدتر" قرار دیتے تھے)۔ یہ سب اس تحریک کی مخالفت میں متفق اللسان تھے۔ سندھ کے خان بہادر المہجش (مرحوم) نے اس تجویز کے متعلق کہا:-

یہ اسکیم آزادی ہند کے راستے میں روڑے اٹکاتی ہے۔

عبدالرحمن سرحدی (مرحوم) نے کہا:-

یہ ہندوستان میں برطانوی تسلط قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

مولانا حفیظ الرحمن سیدو (مرحوم) نے فرمایا:-

اس سے برطانوی حکومت قائم رہے گی۔

احمدی رہنما، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی (مرحوم) نے کہا:-

یہ اسکیم ملک کے مفاد کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے بالخصوص نقصان رساں ہے۔ اگر کبھی اسلامستان وجود میں آیا تو احرار کے ہاتھوں آئے گا۔

دوسری طرف سیاسی لیڈروں میں سے سر سکندر حیات خان (مرحوم) جو اس زمانے میں پنجاب کے وزیر اعظم تھے، اسلامیہ کالج کے طالب علموں کو نصیحت فرما رہے تھے کہ:-

زندگی میں تمہارا نصب العین کچھ ہی ہو لیکن یاد رکھو! تم کسی ایسی اسکیم کی تائید نہ کرنا جس کا منشا ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لئے الگ خطہ منتخب کرنا ہو۔ یہ اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہوگا۔

تاریخ اس المیہ کو کبھی فراموش کر سکے گی کہ سر سکندر حیات اس کمیٹی میں شامل تھے جس نے قرارداد پاکستان کا مسودہ مرتب کیا تھا اور اس کے ساتھ اس اسکیم کی مخالفت بھی کر رہے تھے۔ اس بر نصیب ملت کے ساتھ اکثر ایسا ہی



ہوتا رہا ہے۔ سرسکندر کی اسی مخالفت کا نتیجہ تھا کہ ان کی پارٹی (ایڈنیٹسٹ) کے سربراہ، سر سجدہ نورام بھٹے بھٹے کہے۔

سرسکندر کسی خالص اسلامی حکومت میں وزیر اعظم تو ایک طرف، کوئی ذمہ داری کا عہدہ لینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے۔ پنجاب میں صرف پنجابیوں کی حکومت ہوگی۔ اور ان سب کے جواب میں، عزم راسخ کے اس آہنی پیکر کا اعلان جواہروں نے یکم مارچ ۱۹۴۷ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، لاہور کے سیشن میں اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ:-

لاہور کے پلیٹ فارم ہی سے مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ پیش کیا۔ اور آج میں اسی پلیٹ فارم سے اعلان کر دیتا جاتا ہوں کہ پاکستان ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنے سے مسلمانوں کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ہندوستان کے براعظم میں پاکستان کے سوا کوئی دستور کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پاکستان بن کر رہے گا۔ اور میں تو یہ کہوں گا کہ یہ بن چکا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے سن ۱۹۳۰ء میں پاکستان کا تصور پیش کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:- مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ ایک جہاں گانہ ممکنیت کا وجود کم از کم شمال مغربی علاقہ کے مسلمانوں کے مقدّر میں لکھا جا چکا ہے۔

اور اب قائد اعظمؒ نے کہا کہ یوں سمجھو گویا وہ ممکنیت وجود میں آچکی ہے۔ اسے کہتے ہیں عزم راسخ اور یقین محکم۔ چھ۔ سات برس کے جہاد مسلسل سے یہ دعویٰ ایک ٹھوس حقیقت بن کر دنیا کے سامنے آگیا۔ تقسیم ہند کا فیصلہ ہوا ہے تو اس وقت تک پاکستان کے مخالفین کا کرب و اضطراب، جسے بالفاظ صحیح لفظیں بسمل یا حرکت مذبحی کہنا چاہیے، قابل دید اور عبرت انگیز تھا۔ ان میں سر فہرست مخالفین کے سرغنہ، سرگاندھی، کانام تھا جنہوں نے (پاکستان کے وجود میں آنے کے تین دن پہلے) کہا:- اگر سارا ہندوستان جل کر راکھ ہو جائے، ہم پھر بھی مطالبہ پاکستان منظور نہیں کریں گے۔ خواہ سلطان اسے ہزار شمشیر ہی طلب کیوں نہ کریں۔

(دی ٹرانسپیراؤف پاؤر ان انڈیا۔ مصنفہ ای۔ ڈبلیو۔ آر۔ بولی۔ ص ۱۶۱)

تقسیم ہند کا فیصلہ، انگریز کانگریس اور مسلم لیگ کے باہمی سمجھوتے سے ہوا تھا۔ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو یہ فیصلہ ہوا اور ۱۶ جون کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے حسب ذیل ریزولیشن پاس کیا:-

آل انڈیا کانگریس کو پورا پورا یقین ہے کہ جب موجودہ جذبات کی شدت میں کمی آجائے گی تو ہندوستان کے مسئلہ کا حل صحیح پس منظر میں دریافت کر لیا جائے گا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو الگ الگ قومیں ہونے کا باطل نظریہ مردود قرار پا جائے گا۔

مخالفت کا ہجوم | کانگریس کی طرف سے تقسیم ہند کے فیصلے پر دستخط پنڈت جواہر لعل نہرو نے کئے تھے۔ وہ ایک طرف اس فیصلے پر دستخط کر رہے تھے اور دوسری طرف اپنی قوم سے کہہ رہے تھے کہ:-

ہماری اسکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لیتے ہیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یاد دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے چلے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کرے کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں ضم کر لیجئے۔

(پاکستان فیئر انڈیا - صفحہ ۹۹)

تقسیم ہند کے سمجھوتے میں دوسرا فریق انگریز تھا۔ وہ بھی مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے مطالبہ کا سخت مخالف تھا۔ اور آخر تک کوشش کرتا رہا کہ ہندوستان منقسم نہ ہونے پائے۔ لیکن قائد اعظم نے اس کی ایک نہ چلی دی۔ اس کا اعتراف لارڈ مونت بیٹن کی زبانی سنئے جو تقسیم کے زمانے میں میاں کاواٹسراٹھے تھا۔ ۱۹۴۵ء کے اواخر میں، اس کا ایک انٹرویو، بی۔ بی سی لندن، سے براڈ کاسٹ ہوا تھا۔ اس سے سوال کیا گیا کہ کیا اس وقت ہندوستان کو متحد رکھنے کا کوئی امکان تھا؟ اس نے اس کے جواب میں کہا:-

میں ہندوستان گیا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ اسے کسی طرح متحد رکھ سکوں۔ ہم صدیوں کے بعد اس ملک کو چھوڑ رہے تھے تو چاہتے تھے کہ اسے ایک متحد ملک کی صورت میں چھوڑ کر جائیں۔ اگر ایسا ہو سکتا تو یہ ایک عظیم کارنامہ ہوتا۔ اس کا ٹھکانہ لکھنؤ تھا جو جانا ایک الم انگریز حادثہ تھا جس سے ہندوستان کی قوت پارہ پارہ ہو جاتی۔ لہذا، میں نے اس مقصد کے لئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن اس کی راہ میں ایک ایسا شخص حائل تھا جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا تھا۔ اور وہ تھا محمد علی جناح۔ صدر مسلم لیگ، جو شروع ہی سے نہ کہتا چلا گیا اور اس کے اس ارادے کو پھیلنے کے لئے میری کوشش ناکام ہو گئی۔ مجھے بالآخر اس کے سامنے جھکنا پڑا۔

(طلوع اسلام - فروری ۱۹۶۶ء)

انگریز، قائد اعظم کے اپنی ادا سے کے سامنے باصبر دل ناخواستہ جھکنے کو تو جھک گیا لیکن اس سے اس کے دل پر کس قدر گہرا زخم لگا۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب تقسیم ہند کا مل منظور کی کے لئے برطانوی پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو وہاں کے وزیر اعظم، لارڈ اٹلی نے (جو اس زمانے میں میجر اٹلی تھے) اپنی تقریر میں کہا:-

ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے۔ لیکن مجھے امید واثق ہے کہ یہ تقسیم زیادہ عرصہ تک فاسخ نہیں رہ سکے گی اور یہ دونوں مملکتیں جنہیں ہم اس وقت الگ کر رہے ہیں، ایک دن پھر آپس میں مل کر رہیں گی۔

تشکیل پاکستان کے بعد میں ہندو اور انگریز کے قلبی اضطراب کی ایک جھلک ہم نے دیکھی۔ لیکن وہ مسلمان راہ نما، جو مطالبہ پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش چلے آ رہے تھے، ان کی تڑپ اور خلتش کا اندازہ (مولانا) ابوالکلام آزاد (مرحوم) کی کتاب (INDIA WINS FREEDOM) سے لگ سکتا ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ کانگریس کے اجلاس میں تقسیم ہند کا مسئلہ زیر بحث تھا۔ اس میں کانگریسی ہندو ایک ایک کر کے تقسیم کے حق میں ہو گئے اور مخالفین میں خود

(مولانا) آزاد اور خان عبدالغفار خان رہ گئے۔ غفار خان صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ”ہم نے ساری عمر تمہارا ساتھ دیا اور تم ہماری وفا شناسی کا یہ صلہ دے رہے ہو کہ ہمیں بھیڑیوں کے آگے ڈال کر جا رہے ہو!“ مودودی صاحب نے ایک اور راستہ اختیار کیا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے، وہاں ان کی مخالفت کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو انہوں نے ان صوبوں کا رخ کیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے تاکہ یہ کہہ کر پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں تمہارا کیا حشر ہوگا، انہیں تقسیم ہند کی مخالفت کے لئے ابھارا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس مقصد کے لئے اپریل ۱۹۴۷ء میں، مدراس - ٹونک اور پٹنہ میں جماعت اسلامی کے خصوصی اجلاس منعقد کئے۔ جہاں اپنی تقریروں میں کہا کہ:-

ہندو اکثریت کے علاقوں میں مسلمان منقریب محسوس کریں گے کہ جس قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ انہیں بایانِ مرگ میں لا کر چھوڑ گئی ہے اور ان کی قدمی جنگ جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے سمجھے لڑ رہے تھے، ایک ایسے نتیجہ پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لئے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتی۔

(رونداد جماعت اسلامی - حصہ پنجم - ص ۱۱۷)

لیکن (وائس آف سوس) ان صوبوں کے مسلمانوں نے بھی ان کی مخالفت کا کوئی اثر نہ لیا۔ بلکہ مدراس کے جلسہ میں ہنگامہ بھی ہوا۔ اس کے برعکس، پٹنہ کے اجلاس میں (عالم) گاندھی نے اپنی پراختیاء چھوڑ کر شرکت کی۔ ان تمام مخالفتوں کے باوجود تقسیم ہند کا فیصلہ ہو گیا تو مخالفین کی طرف سے کھلے ہندوں مخالفت کے بجائے خفیہ سازشیں شروع ہو گئیں۔ ان سازشوں میں سب سے پہلی اور مہیب سازش باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ تھا۔ تقسیم ہند کے سلسلہ میں اصولی طور پر یہ طے یہ پایا تھا کہ شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، پاکستان میں شامل ہوں گے۔ ان علاقوں کی حدود معین کرنے کے لئے، ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ چاہیے یہ تھا کہ ملک کی عمل تقسیم سے پہلے، یہ حدود متعین ہو جاتیں لیکن اس کمیشن نے اس میں دانتہ تاخیر کر دی اور حدود کا اعلان تقسیم کے بعد کیا۔ اب آہستہ آہستہ یہ راز بے نقاب ہو رہا ہے کہ یہ سب انگریز اور ہندو کی گہری سازش کے تحت کیا جا رہا تھا، اور مقصد اس سے یہ تھا کہ مسلمان اکثریت کے علاقوں میں سے بھی بعض نہایت اہم اور کلیدی رقبہ ہندوستان کو دے دیئے جائیں۔ ان میں سب سے اہم رقبہ وہ تھا جس میں سے کشمیر کی طرف راستہ جاتا تھا۔ یاد رہے کہ کشمیر کی طرف ایک راستہ تو گجرات یا راولپنڈی کی طرف سے جاتا تھا اور دوسرا گورداسپور کی طرف سے۔ گجرات اور راولپنڈی کی طرح منبع گورداسپور میں بھی، مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اور یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ علاقہ پاکستان میں شامل نہیں ہوگا۔ لیکن جب اس کمیشن کی طرف سے حدود کا اعلان ہوا تو یہ ضلع (اور اس قسم کے کچھ اور علاقے) ہندوستان کی نذر کر دیئے گئے۔ اس اعلان سے پہلے، اور تو اور، خود قائد اعظم کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ وہ بھی مطمئن تھے کہ گورداسپور کا ضلع پاکستان کا حصہ ہوگا۔ میں اس کا ذاتی شاہد ہوں۔ بات یہوں ہوئی کہ میں اس زمانے میں



ملازمت کے سلسلہ میں، دہلی (نئی دہلی) میں تھا اور میری والدہ (مرحومہ) اور کچھ اور افراد خاندان دہلی میرے پاس تھے۔ دہلی میں فسادات شروع ہو چکے تھے۔ ہم (اہلِ دفاتر) نے دہلی سے سیدھے کراچی جانا تھا لیکن کراچی میں رہائش کی کوئی ضمانت نہیں تھی۔ مجھے پریشانی تھی کہ ان افراد خاندان کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس کی بابت قائد اعظم سے مشورہ کر لیا جائے جب میں نے اپنی پرہیزگاروں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ تم گورداسپور کے ضلع کے رہنے والے ہو اور تمہارا قصبہ قادیان کے قریب ہے۔ میں نے کہا کہ یہ درست ہے۔ فرمایا کہ پھر تشویش کس بات کی ہے۔ باؤڈری کمیشن کے ایک ممبر سر ظفر اللہ خان بھی ہیں جو قادیانی ہیں۔ ضلع گورداسپور تو پاکستان ہی کا ایک حصہ ہوگا۔ اپنے اہل خاندان کو گھر بھیج دو اور خود سیدھے کراچی چلے جاؤ۔ چنانچہ میں نے ان کے مشورے کے مطابق اپنے ان افراد خاندان کو بٹانہ بھیج دیا۔ جہاں سے کچھ افراد ہمارے گاؤں (راٹھے چک) چلے گئے۔ یہ گاؤں اس سرک کے کنارے واقع تھا جو بٹانہ سے، سکھوں کے مقدس مرکز ڈیرہ بابا نانک کی طرف جاتی ہے۔ تقسیم سے کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے۔ جب ۷ اگست کو میں نے کراچی میں سنا کہ گورداسپور کا ضلع ہندوستان کو دے دیا گیا ہے تو میرے دل پر جو گزری اس کا آج اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ میرے دیا میرے جیسے ہزاروں لاکھوں افراد کے، تو دل پر ہی گزری۔ لیکن وہاں کے رہنے والوں کے اپنے اوپر جو کچھ گزری اسے اپنا آسمان کی آنکھ کے سوا کون بتا سکتا ہے!

### تقسیم کے وقت کی قیامت خیزیاں

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء (روز جمعۃ الوداع) ہندوستان اور پاکستان کی دو الگ الگ مملکتوں کا وجود عمل میں آیا اور اس کے دورِ درجہ مسلمانوں نے آزادی کی فضا میں پہلی عید منائی۔ لیکن ہنوز غمناک عید کی تکبیریں بھی پوری نہیں ہوئی تھیں کہ مشرقی پنجاب اور اس کی ریاستوں — نامیہ، پٹیالہ، کپورتھلہ، فرید کوٹ سے مسلمانوں کے منظم اور وسیع پیمانے پر قتل عام کی خبریں آنی شروع ہو گئیں۔ اس قتل و غارت گری میں ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ عورتوں کو اغوا کیا گیا۔ بچوں کو سنگینوں کی نوک پر اٹھا لایا گیا۔ عصمتِ درمی کے واقعات عام ہونے لگے۔ بعض شہروں میں، مردوں کو ختم کر کے، نوجوان عورتوں کے برہمنہ جلوس نکالے گئے۔ چند ہی ہفتوں کے اندر اندر تقریباً پانچ لاکھ مسلمان قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد قتل و غارت گری کی اس آگ کا رخ دہلی کی طرف پھرا اور ہندوستان کے دارالسلطنت میں ستمبر کا پورا مہینہ اس قسم کے قتل عام میں گزرا جس کی مثال تاریخ کے ادراک میں نہیں ملتی۔ ایک اندازہ کے مطابق اس خونی تماشے میں، بھارت میں قریب دس لاکھ مسلمان قتل و غارت گری کی نذر ہو گئے اور قریب ایک کروڑ مسلمان انتہائی کس پرہیزگاروں کے عالم میں، کسی نہ کسی طرح جان بچا کر پاکستان پہنچ پائے۔ ان تارکینِ وطن کے ساتھ راستے میں کیا گزری، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگائیے۔ کہ نومبر ۱۹۴۷ء میں، ضلع انبالہ کے کراٹیا کیمپ سے پانچ ہزار پناہ گزینوں کا قافلہ لائل پور



کے قریب پہنچا۔ ان میں سے دو ہزار مختلف بیماریوں میں مبتلا تھے۔ ان میں پیمیش کا مرض عام تھا۔ اس کیمپ میں انہیں جو آٹا کھانے کو دیا جاتا تھا، جب اس کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا تو اس میں نیلا تھو تھا کا زہر ملا ہوا تھا۔ ایک گاڑی، ایلو میر کو دہلی سے لاہور پہنچی تو اس میں سفر کرنے والی عورتوں اور لڑکیوں نے بتایا کہ حکومت ہند نے جو سپاہی ان کی حفاظت کے لئے گاڑی میں متعین کئے تھے، انہوں نے کس طرح راستے میں ان کی عصمت دری کی۔ ایک ٹرین میں قریب ڈیڑھ ہزار پناہ گزین دہلی سے آ رہے تھے۔ امرتسر کے قریب ان سب کو ختم کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ ہندوستان میں، ہندوستانی حکومت کی طرف سے، وہاں سے آنے والے مسلمانوں کے خلاف ہو رہا تھا۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ہندوؤں کی طرف سے کیا وادیاں چلایا جا رہا تھا۔ ان کی طرف سے مسلسل چیخ و پکار ہو رہی تھی کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کو تباہ و برباد کر دیا ہے، ان کے گھر لوٹ لئے ہیں، ان کی عورتوں کو اغوا کر لیا ہے۔ یہ تھا وہ وادیاں جس کی طرف اشارہ کرنے کے بعد، ہما ناگاندھی نے ۲۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کی اپنی سٹامپ کی پرا تھنا کی ٹیٹنگ میں کہا تھا کہ:-

اگرچہ میں نے جنگ کی ہمیشہ مخالفت کی ہے لیکن اگر اس سلسلہ میں پاکستان سے انصاف حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ کار گرنہ ہو تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ ہندوستان پاکستان کے خلاف جنگ کرے۔

پاکستان پر حملہ کرنے کے یہ ارادے اس زمانے میں کئے جا رہے تھے جب حالت یہ تھی کہ تقسیم کے معاہدہ کی نوے سے ایک لاکھ بیسٹھ ہزار ٹن سامان، پاکستان کے حصہ میں آیا تھا۔ اس میں سے ہندوستان نے (۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء تک) صرف (۳،۷۰۳) ٹن سامان پاکستان کو دیا تھا۔ باقی سب ٹریپ کر گیا تھا۔ تقسیم کے وقت چار ارب روپیہ نقد ہندوستان میں موجود تھا جس میں سے ایک ارب روپیہ پاکستان کے حصے میں آنا تھا۔ ہندوستان نے اس رقم کے دینے سے بھی انکار کر دیا اور دسمبر ۱۹۴۷ء میں بمشکل اس پر رضامندی ہو کہ پاکستان کو (۷۵) کروڑ روپیہ دے دیا جائے۔ اس میں سے بیس کروڑ روپیہ پاکستان کو پہلے مل چکا تھا لیکن ہندوستان اس معاہدہ کے باوجود کہ (۷۵) کروڑ روپیہ پاکستان کو دے دیا جائے، بقایا (۵۵) کروڑ روپیہ دیا کر بیٹھ گیا۔ اس کی وصولی کے لئے پاکستان کو ہزار جتن کرنے پڑے، اور جب بین الاقوامی دباؤ کے تحت ہندوستان کو یہ روپیہ ادا کرنا پڑا تو اس میں سے بھی پانچ کروڑ روپیہ ڈنڈی مار کر رکھ لیا۔ اس زمانے میں ہماری حالت یہ تھی کہ پاکستان کے خزانے میں، ملازمین کو تنخواہیں نکال دینے کے لئے بھی پیسہ نہیں تھا۔ دفاتر کا بیشتر دیکارڈز دستوں میں تباہ کر دیا گیا تھا۔ ملازمین کی کافی تعداد ٹرینوں میں قتل ہو چکی تھی۔ جو کچھ بچے کراچی پہنچے تھے، ان کے پاس نہ رہنے کو مکان تھا، نہ دفتروں میں بیٹھنے کی جگہ۔ ہم نے درختوں کے سائے تلے (PACKING CASES) پر بیٹھ کر روزمرہ کا کام کیا تھا۔

ہندوؤں کے عزائم | انگریزوں کے (ہندوستان سے) چلے جانے کے بعد، ہندوؤں کے عزائم کیا تھے، ان کا انکشاف، قائد اعظم نے دسمبر ۱۹۴۷ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس

فیڈریشن کے اجلاس میں ان الفاظ میں کہا تھا:-

ہندو مہا سمبھا کے صدر، سادہ کر، کی اسکیم یہ ہے کہ جب (انگریز کے چلے جانے کے بعد) میدانی  
بڑی فضائی افواج میں ہندوؤں کو (۷۵) فی صد حصہ مل جائے گا تو پھر ہندو راج قائم کر کے کوشش کی  
جائے گی ان مسلمانوں کا کیا حشر ہو گا جو شمال مغرب اور شمال مشرق میں بستے ہیں ان کے متعلق وہ کہتے  
ہیں کہ سرحدوں پر ہندو فوج اس طرح بٹھادی جائے گی جس طرح اب برطانوی فوج متعین ہے  
اور یہ فوج اس کا خیال رکھے گی کہ مسلمان سر نہ اٹھا سکیں۔

ہندوؤں کے یہ عزائم اس صورت میں تھے جب ہندوستان تقسیم نہ ہوا اور فوج (۷۵) فی صد ہندوؤں کو ملے۔  
لیکن تقسیم کے بعد جب فوج کا پورے کا پورا سو فی صد حصہ ہندوؤں کے پاس تھا، اس کے مشنوں اور اہدوں  
کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے! مثلاً راجہ ہندو پر تاپ نے کھلے الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ:-

جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا ہمارا ملک کوئی ترقی نہیں کر سکتا۔ حالات اس طرح  
بدل رہے ہیں کہ مجھے یقین ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ لائیفاک  
ہو گئی ہے۔ بنابریں میں اپنی حکومت کو مشورہ دوں گا کہ وہ افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر  
پاکستان کو ختم کر دے۔ (ویر بھارت۔ مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۷ء)

ادرسو شلسٹ پارٹی کے لیڈر مسٹر لوتیا اتنا انتظار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "اکلا تدم"  
میں لکھا تھا:-

ہم زیادہ عرصہ تک انتظار نہیں کر سکتے۔ شاید دو تین سال کے عرصہ ہی میں امرتسر اور پاکستان کی  
درمیانی حد فاصل مٹ جائے گی۔ یہیں پاکستان کے نہ ہو کر ختم کر کے تقسیم ہند کو معدوم کر  
دینا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مصنوعی تقسیم ختم ہو جائے گی اور پاکستان اور ہندوستان  
پھر سے ایک ہو جائیں گے۔

پاکستان کے خلاف یہ عزائم تنہا ہندوؤں کے نہیں تھے۔ اس باب میں سکھ ان سے بھی تیز تھے۔ شروع  
۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند کے متعلق محض قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، سکھوں کے مشہور لیڈر مسٹر  
تارا سنگھ نے مسلمانوں کے خلاف انتہائی شراذگیز تقریروں کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ انہوں نے ۲۸ فروری  
۱۹۴۷ء کو ایک تقریر میں کہا:-

ہیں نہیں مجھے سکنا کہ ہم خانہ جنگی کو کیسے روک سکتے ہیں۔ جب تک مسلمان پنجاب پر راج کرنے کی  
نعرہ بشتا ترک نہیں کریں گے اس وقت تک ان سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ سکھوں کے پاس  
اس قدر طاقت موجود ہے کہ وہ مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے نکال دیں۔ لیکن ہم اسی پر اکتفا کیوں  
کریں۔ ہم ان کو سارے سے پنجاب سے نکال دیں گے۔ ہم نے اس مقصد کے لئے اپنی نجی رضا کار فوج  
کی از سر نو تنظیم شروع کر دی ہے۔ (طلوع اسلام۔ اگست ۱۹۴۷ء)

پھر انہوں نے ۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو ایک تقریر میں کہا:-

خالصہ بیچ کر چاہیے کہ وہ اس موقع کی نزاکت کو سمجھے۔ میں ہر سکھ سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنا فرض کرے۔ ہم زندہ رہیں یا مرجائیں لیکن مسلمان راج کی اطاعت تسلیم نہیں کریں گے۔ خالصہ اٹھو اپنے سنگھ لنگوٹ کس لو، نازک گھڑی آ پہنچی ہے۔ واہ گرو ہاری راہنائی اور مدد کریگا۔ (ایضاً)

۴ مارچ ۱۹۴۷ء کو ماٹرا سنگھ، پنجاب اسمبلی ہاں سے، "پاکستان مردہ مادر" اور "ست سری اکال" کے نعرے لگاتے اور اپنی کہانیاں لہراتے ہوئے نکلے اور انہوں نے اعلان کیا کہ:-

وقت آ گیا ہے کہ صرف تلوار کی طاقت کا راج ہوگا۔ سکھ تیار رہیں۔ ہم مسلمانوں کے ہوش ٹھکانے لگا دیں گے۔ جب تک ہم پنجاب سے مسلم راج کا خاتمہ نہیں کر دیں گے ہماری تلوار نیام میں نہیں جائے گی۔ (ایضاً)

سکھوں کے ایک اور مشہور لیڈر، گیانی کرتار سنگھ نے اپنی تقریر میں کہا:-

آج کے دن سے ہماری مقدس جنگ شروع ہو گئی ہے۔ آج سے ایک سو سال پیشتر ہمارے درود جھنڈے لاہور کے قلعے پر لہرا رہے تھے۔ یہی جھنڈا پھر لہرائے گا۔ یہ فیصلہ ہمارا جنگ کا کلہاڑا کرے گا کہ حکومت مسلمان کریں گے یا ہم۔ سکھ گرو گوبند سنگھ کے نام پر آج نہیں آنے دیں گے۔ یہ تھے سکھوں کے عزائم پاکستان کے متعلق۔

ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے یہ اشتعال انگیزیاں اور تباہ کاریاں تنہا ان کے عزائم کی غماز نہیں تھیں۔ ایسا کچھ انگریزوں کے علم اور ایما سے ہو رہا تھا۔

جب جولائی ۱۹۴۷ء میں، پاکستان کے وزیر مالیات، ملک غلام محمد (رحم) لندن گئے ہیں تو انہوں نے وہاں ایک انٹرویو کے دوران کہا تھا:-

## انگریز کی ملی بھگت

جب تقسیم ہند کے زمانے کے حادثات کی تاریخ لکھی جائے گی تو ان کا الزام ایک حد تک بلکہ تقریباً کامل اس شخص پر آئے گا جو اس وقت وائسرائے تھا۔ پنجاب کے فسادات ایک گہری سازش کا نتیجہ تھے۔ اس سازش میں ایک طرف سکھوں کا وہ جنگجو طبقہ شریک تھا جو وہاں اپنا راج قائم کرنا چاہتا تھا اور دوسری طرف راشٹریہ سیکس سنگھ کے یہ کمیونہ عزائم تھے کہ مسلمان آبادی کا صفایا کر کے پاکستان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ تقسیم سے پہلے حکومت ہند کو ان سرگرمیوں کا بخوبی علم تھا۔ لیکن ان کے سبب اب کے لئے کچھ کارروائی نہیں کی گئی۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پورا علم تھا کہ یہ فتنہ کھڑا کیا جا رہا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ اسلحہ جمع کیا جا رہا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ سکھ کیا کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو کیسے ستایا جا رہا ہے۔ اس کی سی۔ آئی۔ ڈی نے یہ معلومات اسے ہم پہنچا دی تھیں اور اس کے رفقاء نے کونسل کچھ کرنے کے لئے دہلی در سے رہے تھے لیکن وہ اپنی کابینہ کے مسلمان اراکان کو جھوٹے طفل تسلیاں دیتا رہا۔

(طلوع اسلام - اگست ۱۹۴۷ء)

یہ تھے عزیزانِ من! وہ قیامت خیز حوادث جن میں پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ کوئی اور موت تو ہندو، سکھ اور

انگریز کی اس متحدہ سازش، اور دوسری طرف اس نوزائیدہ مملکت میں اس قدر ناسازگار حالات، سے گھبرا کر حوصلہ ہار دیتا اور سپرانداز ہو جاتا۔ لیکن اس مجاہد جاننا نہ لے، اس جنگ میں سچ میچ اپنی جان دے دی لیکن دشمن کے سامنے سر نہ جھکا یا۔ اسے کہتے ہیں یقینی حکم اور عزم راسخ!

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را

آگے بڑھنے سے پہلے، میں اس مقام پر ایک اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جب باؤنڈری کمیشن کا فیصلہ اس قدر فریب دہی اور دھاندلی پر مبنی تھا، تو قائد اعظم نے اسے قبول کیوں کر لیا اس کا جواب خود قائد اعظم نے، ریڈیو پاکستان سے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو نشر کردہ اپنی تقریر میں دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:-

## ایک اعتراض کا جواب

ملک کی تقسیم اب اس انداز سے اہتمام پذیر ہو گئی ہے کہ اسے مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں اس کا گہرا احساس ہے کہ ہماری آزاد مملکت کے جس طرح پرچھے اٹائے گئے ہیں وہ یکسر نا انصافی پر مبنی ہیں۔ یہیں پہلے ہی آخری حد تک سٹھا دیا گیا تھا۔ اور پھر یہی سہی کسر باؤنڈری کمیشن نے پوری کر دی۔ کمیشن کا فیصلہ غیر منصفانہ، ناقابل فہم اور بد نہادی پر مبنی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم نے اس کی پابندی کا عہد کر لیا ہوا ہے، لہذا، اس کا قبول کرنا ہم پر واجب ہو گیا ہے۔ ہم ایسا عہد کرنے والے شریف لوگ ہیں۔ اس لئے ہمیں خواہی خواہی اسے قبول کرنا ہوگا۔ یہ ہماری بد نصیبی سہی، لیکن جہاں ہم نے اتنی چوٹیں پہلے برداشت کی ہیں، اسے بھی جھٹ، حوصلہ اور امید کے ساتھ برداشت کر لینا چاہیئے۔

مملکت کی وہ مشکلات کیا تھیں جن کے تابع اس کمیشن کا تقرر اور اس کے فیصلے کی پابندی قبول کرنی پڑی تھی، اس کی تفصیل ہمارے سامنے نہیں آئی۔ اس زمانے کے وزیر اعظم پاکستان نے، اپنی ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کی نشری میں ایشہ اٹا کہا تھا کہ یہ

عام طور پر پوچھا جاتا ہے کہ مسلم لیگ نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کیوں قبول کی خب وہ جانتی تھی کہ اس کے نتائج کیا نکلنے والے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم سے یہ کہا گیا تھا کہ اگر ہم نے صوبائی تقسیم قبول نہ کی تو ہمیں پاکستان نہیں ملے گا۔ اگر ہم موجودہ پاکستان قبول نہ کرتے تو اس کے نتائج اتنے خطرناک ہوتے کہ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(طلوع اسلام - ستمبر ۱۹۴۷ء)

یہ تھیں وہ مجبوریاں جن کے پیش نظر اس فیصلہ کو قبول کرنا پڑا تھا۔ یا اسی قسم کا پاکستان قبول کرو اور یا ابدی طور پر ہندوؤں کی غلامی میں رہو!

(۲)

اب آگے بڑھئے۔ ہندوستان تقسیم ہو گیا۔ اس طرف ہندوؤں کی حکومت قائم ہو گئی۔ ادھر پاکستان کی مملکت وجود میں آگئی۔ اس پر ہر قلب شرافت آگئیں میں یہ خیال اٹھ رہے گا کہ اس کے بعد پاکستان کی مخالفت ختم ہو جان چاہیئے



تھی۔ لیکن یہ تو شرافت اور دیانت کا تقاضا تھا۔ ابلیسی سیاست کا نہیں جس کا مفاد ہی خود غرضی اور مفاد پرستی پر ہوتا ہے۔ ہندو اور انگریز ہی نہیں۔ دنیا کی اور بھی قوتیں ایسی تھیں جن کے دل میں ایک مستحکم، مضبوط اور طاقتور پاکستان کا نئے کی طرح کھٹکتا تھا۔ بالخصوص اس لئے کہ اس کے بانیوں نے بصراحت اعلان کیا تھا کہ اس مملکت میں قرآنی نظام نافذ ہوگا، اور اس نظام میں انسانوں کے خود ساختہ ہر نظام کو موت کا پیغام نظر آتا تھا۔ اس لئے ان قوتوں کی انتہائی کوشش تھی کہ اس مملکت کو اپنے نہ دیا جائے۔ ان قوتوں کی میکینیکل سیاست کا حربہ یہ ہوتا ہے کہ یہ دوسرے ممالک میں اپنے ایجنٹ بھیج دیتی ہیں جو وہاں مختلف حیلوں اور حربوں سے اندر ہی اندر ایسی صورت پیدا کرتے رہتے ہیں کہ وہ ملک پیہم انتشار اور خلغشار کا شکار رہے، اور اس طرح اس میں استحکام پیدا نہ ہونے پائے۔ مسلمان، مذہب پرست قوم ہے اس لئے ان ممالک کے لئے ایسے ایجنٹ تلاش کئے جاتے ہیں جو مذہب کے نام پر انتشار پھیلاتے رہیں۔ اس سلسلہ میں، حالی ہی میں، ایک بڑا اہم راز بالائے نام آیا ہے۔ جب ایران کے جنگاموں کے نتیجہ میں، وہاں کے شاہنشاہ کو ملک چھوڑنا پڑا تو امریکی ارباب اقتدار و مشاہیر سیاست، صدر کارٹر کے گلے پڑ گئے کہ تمہاری سیاست، جاسوسی اور سراغ رسانی کے انتظامات کیسے ہیں جو تمہیں معلوم ہی نہ ہو سکا کہ ایران میں مذہبی تنظیموں کے رجحانات کیا ہیں اور وہ کتنی طاقت پکڑ رہی ہیں! اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں ہماری پالیسی کو اس قدر شکست فاش نصیب ہوئی! اس پر اخبارات میں حسب ذیل نہایت اہم خبر شائع ہوئی۔

واشنگٹن۔ ۲۱ جنوری۔ امریکہ کے صدر، جمی کارٹر کے سب سے بڑے سیکریٹری ایڈوائزر مسٹر (BREZINSKI) نے احکام جاری کئے ہیں کہ دنیا بھر میں اسلامی تحریکوں کے اثرات کا جائزہ لیا جائے۔ اس مطالعہ اور جائزہ کا مقصد یہ ہے کہ حکومت کو مسلمانوں کی مذہبی تحریکوں کے اثرات کے متعلق اس سے بہتر معلومات مہم پہنچائی جائیں، جس قدر اسے ایران کے معاملہ میں حاصل ہوئی تھیں۔ (بحوالہ پاکستان ٹائمز۔ ۲۲ جنوری ۱۹۷۹ء)

آپ خود فرمائیے کہ امریکہ کو مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں اور تحریکوں سے کیا دلچسپی ہے جو ان کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے وہ اس قدر عالمگیر مہم چلا رہا ہے؟ سوچئے کہ وہ کون سے مذہبی اثرات ہو سکتے ہیں جن کے متعلق صحیح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پالیسی کو ایران میں ذلت آمیز شکست اٹھانی پڑی اور دیگر اسلامی ممالک میں اس کی پیش بندی کے لئے اس قسم کے انتظامات کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی! یہ ہے ان قوتوں کا وہ طریق کار جس کی رو سے وہ ایسا انتظام کرتی ہیں کہ مسلم ممالک میں ان کی پالیسی کا فزا اور غالب رہے۔ نظر آتا ہے کہ تشکیل پاکستان کے بعد، ان قوتوں نے بھی سازش کی اور اس مملکت کے قیام کے ساتھ ہی انہوں نے یہاں اپنے ایجنٹ بھیج دیئے۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے، پاکستان کا وجود، یورپ اور امریکہ جیسے نظام سرمایہ داری کے حامل ممالک اور روس جیسے کمیونسٹ ملک، دونوں کی نگاہوں میں کھٹکتا تھا۔ مسلمانوں کے ممالک میں، سرمایہ دار قوتوں کے ایجنٹوں کے لئے کامیابی کے نسبتاً زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں کیونکہ وہ مذہب کی آڑ میں کمیونسٹوں کے خلاف

## مذہب کے نقاب ہیں

بڑی آسانی سے، اور کھلے بندوں پر ایگنڈہ کر سکتے ہیں۔ برعکس کینڈسٹون کے کہ خدا کے انکار کا کلنگ کا ٹیکہ ان کے راستے میں بڑی طرح حائل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان ممالک میں خلفشار پیدا کرنے کے لئے اور انداز کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک مذہب کی آڑ میں اسلام کی تخریب کا تعلق ہے، مودودی صاحب نے اپنے ایک مقالہ — تجدید و احیاء دین — میں اسلامی تاریخ کے حوالے سے اس حقیقت کو دلکش انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ اس اقتباس میں لفظ ”جاہلیت“ کے بجائے سازش ”پڑھیں تو عصر حاضر کی سیاست کے حوالے سے بات سمجھ میں آجائے گی۔ انہوں نے کہا ہے۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہیں آئی تھی بلکہ ”مسلمان“ بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو شاید مقابلہ آسان ہوتا۔ مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، وسالت کا اقرار، صوم و صلوة پر عمل قرآن و حدیث سے استشہاد تھا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے جاہلیت کا سر رہی تھی۔ ایک ہی دھند میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا جاہلیت صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا مشکل ثابت ہوا ہے۔ عربیوں جاہلیت سے لڑنے لگا تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیوں پر لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور کوئی مسلمان اس کی حمایت نہ کر سکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جائے تو منافقین ہی نہیں، بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں گے اور اُلٹا آپ کو مورد الزام بنا ڈالیں گے۔ جاہل امارت کی مسند اور جاہل سیاست کی لائٹننگ پیر مسلمان کا جلوہ افروز ہونا۔ جاہلی تعلیم کے مدرسے میں ”مسلمان“ کا معقم ہونا۔ جاہلیت کے سجادہ پر ”مسلمان“ کا مرشد بن کر بیٹھنا، وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کبھی لوگ بچ سکتے ہیں۔

(ترجمان القرآن - باب دسبر ۱۹۳۱ء - ۱۹۳۲ء - ۱۹۳۳ء)

ہماری تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اسلام کو مسیح اور مسلمانوں کی سلطنتوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جتنا کچھ مذہب کے نقاب میں کیا گیا ہے، کھلی دہریت یا لادینی سیاست کے حصے میں اس کا عشرہ عشر بھی نہیں آیا۔ ہماری ساری تباہی مذہب کی آڑ میں ہوئی ہے۔ اس وقت امریکہ کو جو اس قدر قشوریش لاحق ہو رہی ہے تو اس لئے کہ وہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مسلمان ممالک میں جہاں اس کی سازش اسلام کے پردے میں کار فرما ہے، اس کے ایجنٹوں کی کارکردگی میں کمی یا کمزوری کیوں واقع ہو گئی ہے۔ وہ اس کا سبب دریافت کرنا چاہتا ہے۔

بہر حال میں کہہ یہ رہا تھا کہ تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی، معاند قوتوں نے اپنے ایجنٹ یہاں بھیج دیے۔

## پاکستان میں ایجنٹ

کر دیئے۔ یہ میرا قیاس نہیں، امر واقعہ جس کی شہادت ہمارے بڑے بڑے راہ نماد دیتے چلے آ رہے ہیں۔ پاکستان کو وجود میں آنے ابھی چھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ قائد اعظم نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:-

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے اندر وہ لوگ موجود ہیں جو بیرونی قوتوں سے مالی امداد حاصل کر کے پاکستان کے درپے تخریب ہیں۔ میں آپ لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ان سے ہوشیار

رہیں اور ان کے دل کش نغموں اور جاذب توجہ وعظموں سے فریب میں نہ آجائیں۔

{ روزنامہ ڈان - کراچی - مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء  
[ بحوالہ طلوع اسلام - بابت مارچ - اپریل - مئی ۱۹۴۸ء ]

اسی تاریخ کو کراچی میں وزیر خزانہ ملک غلام محمد (مرحوم) نے ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا:-

مجھے یقین ہے کہ ملازمین کا طبقہ دل کا کھرا ہے۔ لیکن ان پر ایک ایسا طبقہ اثر انداز ہو رہا ہے جو ہماری معاشرتی زندگی کا دشمن اور بیرونِ پاکستان قوتوں کا آلہ کار ہے۔ حکومت کو بعض ایسی جماعتوں کی سرگرمیوں کا علم ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ وہ سرکاری ملازمین کو حکومت کے لئے مشکلات پیدا کرنے کے لئے اکسائیں۔ ان میں سے بعض ہمارے معاشرتی نظام کے دشمن اور تشدد آمیز انقلاب کے حامی ہیں۔ ان میں سے بعض کے متعلق ہمیں حتمی طور پر معلوم ہے کہ وہ باہر سے ہدایات حاصل کرتے ہیں۔ کوئی حکومت بھی ایسے عناصر کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ہمارے ملازمین حکومت کو محتاط رہنا چاہیئے کہ وہ اس قسم کے لوگوں کے دامِ فریب کا شکار نہ ہو جائیں۔ (ڈان - ۲۳ مارچ ۱۹۴۸ء - ایضاً)

اس کے بعد وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خاں (مرحوم) نے ۱۳ اپریل کو اپنے ایک بیان میں کہا:- بعض سازشی گروہ (ففتہ کالم) ملازمین حکومت کی مشکلات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں اپنے مقاصد براری میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اپنے مشومہ عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ ملازمین کے دل میں کھوٹ نہیں۔ وہ انتہائی کوشش کر رہے ہیں کہ ملازمین میں انتشار اور سرکشی پیدا کر کے نظامِ حکومت کو مفلوج کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملازمین حکومت کی غالب اکثریت ان لوگوں کی فتنہ سامانیوں سے آگاہ ہے۔

(روزنامہ ڈان - ۱۳/۴/۴۸ - ایضاً)

ان بیانات پر تبصرہ کرتے ہوئے طلوع اسلام نے مئی ۱۹۴۸ء کے لمعات میں لکھا:-

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے اربابِ حکومت کی تشخیص بالکل درست ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اپریل کی اشاعت میں بصراحت لکھا تھا، دشمنانِ پاکستان کی فتنہ انگیزوں کا علاج فقط اس قدر نہیں کہ عوام یا ملازمین سے کہہ دیا جائے کہ ان کی چالوں میں نہ آئیں۔ اگر دشمنانِ ملک و ملت سرکاری ملازمین کو گمراہ کر رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کی سازشوں کا جال کہیں زیادہ وسیع ہو گا۔ ہمیں خوشی ہے کہ حکومت اس قدر ہوشیار ہے کہ اسے ایسی دشمنانِ پاکستان جماعتوں کا علم ہے لیکن ہم جانتا چاہتے ہیں کہ اس نے مداخلت کی کیا صورت اختیار کی ہے۔

لیکن حکومت نے نہ قوم کو کچھ بتانا تھا نہ بتایا۔ بایں ہمہ ہر حکومت اس دعویٰ کو بار بار دہراتی رہی کہ ملک میں پاکستان دشمن عناصر موجود ہیں۔ یہاں کی بعض سیاسی پارٹیوں کو پاکستان دشمن بیرونی حکومتوں کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ حتیٰ کہ مسٹر ایس۔ بی۔ اعوان نے جو پہلے حکومتِ پاکستان کے اسٹیجمنس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل تھے اور



اس کے بعد وزارتِ داخلہ کے سیکرٹری، اپنی ڈیٹا ٹرمنٹ کے بعد یہ انکشاف کیا کہ یہ بات ان کے علم میں ہے کہ ملک کی بعض سیاسی پارٹیوں کو بیرونی ملکوں سے امداد ملتی ہے۔ اس دعوے کو پھر جنرل امر لڈ خان نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد دہرایا۔ طلوع اسلام نے، اپنی جولائی سنہ ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں اس نہایت اہم اور نازک مسئلہ کا بھرپور جائزہ لیا اور حکومت سے پھر زور الفاظ میں کہا کہ وہ خدا کے لئے اس غریب قوم کی حالت پر رحم کھائے اور اسے بتائے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور کون کون سے پاکستان دشمن عناصر مملکت کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ لیکن حکومت نے اسے بھی آن سنی کر دیا۔ (طلوع اسلام، مئی سنہ ۱۹۵۶ء)

جب بھی کسی ذمہ دار شخصیت کی طرف سے اس قسم کا اعلان ہوا، ہم نے فوراً کہا کہ اس طرح کے مبہم اعلانات سے ملک کو فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اہل پاکستان کو واضح طور پر بتائیں کہ یہ سازش افراد یا گروہ کون سے ہیں تاکہ قوم ان سے محتاط رہے۔ یا کم از کم اتنا ہی بتا دیا جائے کہ حکومت نے اس باب میں کیا چارہ جوئی کی ہے اور کس کس قسم کی حفاظتی تدابیر اختیار کی ہیں۔ لیکن کسی نے نہ ان کی نشاندہی کی اور نہ ہی یہ بتایا کہ ان کے خلاف کیا کارروائی کی گئی ہے۔ البتہ اس قسم کے بیانات کا سلسلہ بدستور جاری رہا اور ہر نئے آنے والے نے اس نظم مرتبہ میں اپنی طرف سے ایک آدھ بند کا اضافہ کر دیا۔ مثلاً جنوری سنہ ۱۹۵۶ء میں گورنر جنرل پاکستان نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:-

ملک میں ایسی جماعتیں بھی ہیں جو اس سطح پر پہنچ چکی ہیں کہ وہ بیرونی جماعتوں سے سہارا نہ رکھتی ہیں اور انہیں اپنے ملک کے خلاف سالہ فراہم کرنی رہتی ہیں۔ ایسے افراد یا جماعتوں کے استیصال کے لئے حکومت سخت سے سخت اقدام پر توجہ بجانب ہوتی۔

(ٹائمز آف کراچی - ۲۴ ۱/۵ - بحوالہ طلوع اسلام - مارچ سنہ ۱۹۵۶ء)

اس کے دو ہی دن بعد، وزیر اعظم پاکستان نے مسلم لیگ کو نسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:- ملک میں ایسے عناصر موجود ہیں جو یاس، ناامیدی اور ہراسانی کے احساس کو عام کر رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ پاکستان کے استحکام اور سالمیت کو تباہ کر دیا جائے۔

(ٹران - ۳۰ ۱/۵ - بحوالہ طلوع اسلام - مارچ سنہ ۱۹۵۶ء)

اول سنہ ۱۹۵۶ء میں پولیس نے ہڑتال کر دی تو اس زمانے کے صدر مملکت نے اپنی فشری تقریر میں فرمایا:- پولیس کی یہ ہڑتال، ہڑتال نہیں تھی بلکہ صاف اور سیدھے لفظوں میں یہ بغاوت تھی۔ اور بغاوت بھی ایسے وقت میں جب پہاڑی مسلح افواج دشمن کے سامنے کھڑی ہیں۔ اور پاکستان میں منوں میں سب سے بڑے خطرناک بحران کا سامنا کر رہا ہے۔ بہر حال میں ان تلخ حقائق کی یاد تازہ کرانا نہیں چاہتا۔ میں پولیس کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس کے لئے ان کے مقاصد اور جذبات محرکہ کچھ بھی ہوں۔ اور میں ان محرکات سے خوب واقف ہوں جو اس بغاوت کے پیچھے کار فرما تھے۔ (ملک میں) ایسے عناصر۔۔۔ تھے جو قریب ایک ماہ سے اس کے لئے مصروف کار تھے یہ ہڑتال اپنی ہنگامی طور پر نہیں ہو گئی تھی۔ ایسی چیزیں اتنے وسیع پیمانے پر یونہی ہنگامی طور پر رونما



نہیں ہو جایا کرتیں۔ بہر کیف ہم اس باب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

(بحوالہ طلوع اسلام - اپریل ۱۹۷۲ء)

اس ڈرا پیٹے، اس وقت کے وزیر اطلاعات نے اخباروں کے نام ایک مکتوب میں لکھا:-

جو عناصر محب وطن نہیں انہوں نے مشرقی پاکستان کے واقعات سے شہ پاک مغربی پاکستان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی تحریک نڈ کر دی ہے۔ ان میں بعض عناصر کو بیرون ملک سے دولت اور راحت موصول ہو رہی ہے۔ یہ عناصر برصغیر میں کنفیڈریشن کے قیام یا مغربی پاکستان کے اندر علیحدگی کی باتیں کرنے سے بھی نہیں چو گئے۔

(بحوالہ طلوع اسلام - اپریل ۱۹۷۲ء)

اور آگے بڑھتے ہوئے گنگا اغوا کیس کے سلسلہ میں، جسٹس نور العارفین کے زیر صدارت انکوائری کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا:-

یہ تمام ملزم دشمن کے ایجنٹ ہیں اور انہوں نے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۱ء کے درمیانی عرصہ میں بھارت اور پاکستان کے تعلقات خراب کرنے کے لئے متعدد سازشیں کیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہاں کے خفیہ راز، بالخصوص بری، بحری اور فضائی فوج کے خفیہ راز دشمن تک پہنچائیں۔

(نوائے وقت، مورخہ ۲۲ مارچ ۵ - بحوالہ طلوع اسلام - اپریل ۱۹۷۲ء)

جون ۱۹۷۱ء میں، صدر مملکت نے اپنی پریس کانفرنس میں اس راز کا افشاء فرمایا کہ:-

حکومت کے پاس مفوض ثبوت موجود ہے کہ بعض اشخاص بیرونی قوتوں کے ایجنٹ کے طور پر ملک میں خلفشار اور انتشار مچاتے رہتے ہیں۔ بعض ممالک پاکستان میں سازشیں کرانے کے لئے مصروف جدوجہد ہیں۔ ہمارے پاس اس امر کی شہادت موجود ہے لیکن میں ان ممالک کا نام نہیں لینا چاہتا۔ (پاکستان ٹائمز، مورخہ ۲۲ مارچ ۷۱ - بحوالہ طلوع اسلام - اگست ۱۹۷۲ء)

اس کے ایک ماہ بعد، مٹرا لے، کے، برقی نے ایک انٹرویو کے دوران فرمایا کہ:-

میں ایک ایسا شخص ہوں جو سیاسی معاملات کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں اور قطعی اور صحت طور پر سیاسی حالات اور واقعات کے ساتھ ساتھ ان اشخاص کے بارے میں بھی اظہار خیالات کر سکتا ہوں جو مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں خاموش رہوں۔

(جنگ - مورخہ ۲۲ مارچ ۷۱ - بحوالہ طلوع اسلام - اگست ۱۹۷۲ء)

اس سے ایک ماہ پہلے، سندھ کے اس زمانے کے وزیر اعلیٰ نے اپنے ایک بیان میں اس راز کا انکشاف کیا کہ:-

سندھ دیش کا نعرہ لگانے والے بھارتی ایجنٹ ہیں۔ ان عناصر کی تحریک پورے طور سے پاکستان دشمن تحریک ہے اور اس تحریک کو بھارت سے مالی امداد مل رہی ہے۔ (طلوع اسلام - جون ۱۹۷۲ء)

اب آئیے مشرقی پاکستان کی طرف۔ مئی ۱۹۷۱ء میں، مولوی فرید احمد (مرحوم) نائب صدر جمہوری پارٹی مشرقی پاکستان نے لاہور میں بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

شیخ مجیب الرحمن - تاج الدین اور قمر الزمان کہ ۱۹۶۴ء میں غیر ملکوں نے اپنا ایجنٹ مقرر کیا کہ وہ نظریہ پاکستان کو ناکام بنادیں۔ (طلوع اسلام - اکتوبر ۱۹۷۶ء)

اسی زمانے میں خان عبدالغنی نے انکشاف فرمایا تھا کہ۔

شیخ مجیب الرحمن نے ۱۹۶۵ء میں منعم خان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ آزادی کا اعلان کر دے۔

(طلوع اسلام - اکتوبر ۱۹۷۶ء)

مشرقی پاکستان کا حادثہ و غورچکان ایسا کہ بے انجیز ہے کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے بھی کلیچہ نہ کر آئے لگتا ہے۔ اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا بجز اس کے کہ سازشوں کا یہ سلسلہ اتنے عرصے سے جاری تھا لیکن کسی نے قدم کو بروقت نہ بتایا کہ دلوں کیا ہو رہے ہیں! لیکن اگر کسی نے بتایا بھی تو پھر کیا ہوا؟ مئی ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ ماسکو ریڈیو کے حوالہ سے اخبارات میں ایک خبر گشت لگا رہی تھی کہ سی۔ آئی۔ اے کی طرف سے یہاں کی ایک جماعت کو اس قدر روپیہ ملا ہے۔ اس پر یہاں قیاس آرائیاں شروع ہوئیں تو نیشنل عوامی پارٹی کے جوائنٹ سیکرٹری، محی الدین احمد صاحب نے دھماکہ کے ایک جاسٹ عام میں تقریر کرتے ہوئے ایک جماعت کا نام لے کر کہا کہ، سی۔ آئی۔ اے کی طرف سے اسے حال ہی میں اتنا روپیہ ملا ہے اور اس سے پہلے اتنا روپیہ۔ یہ خبر روزنامہ امروز کی ۱۲ مئی ۱۹۶۶ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ ہم نے حکومت سے بتا کید کہا کہ وہ اس خبر کی بات عدہ تحقیق کرے اور ملک کو حقیقت سے آگاہ کرے۔ (طلوع اسلام - جون ۱۹۶۶ء)

لیکن صدائے بہ نخواست۔ یہ تو ۱۹۶۶ء کی بات ہے۔ اس کے بعد بھی یہاں نام لے لے کر کہا گیا کہ فلاں فیڈر یا فلاں جماعت کو فلاں بیرونی حکومت کی طرف سے مالی امداد ملتی ہے اور فلاں لیڈر یا پارٹی فلاں حکومت کی ایجنٹ ہے لیکن نہ تو کسی نے ایسا الزام لگانے والے سے کہا کہ وہ اس کا ثبوت پیش کرے اور نہ ہی جس کے خلاف الزام لگایا گیا تھا اس نے اس کی تردید کی۔ نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ حکومت نے اس سلسلے میں کوئی اقدام کیا ہے۔

اس سلسلے میں کہنے کو ابھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس کی چنداں ضرورت نہیں جو کچھ میں نے کہا ہے اس سے میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ تشکیل پاکستان کے یومِ اول سے آج تک یہ آوازیں برابر سنائی دیتی رہیں کہ ملک میں بیرونی قوتوں کے آلہ کار ایجنٹ موجود ہیں جو اس میں خلفشار پیدا کرتے رہتے ہیں تاکہ یہ مملکت مستحکم نہ ہونے پائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مملکت کا نصف حصہ ہاتھ سے جاتا رہا اور باقی نصف جس قسم کے خطرات کے نرسے میں ہے ان سے ہر بھی خواہ پاکستان ہر سال ہے۔ طلوع اسلام کی روزِ اول سے یہ پکار رہی کہ حکومت اس باب میں ضروری تحقیقات کے بعد قوم کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرے اور اگر کوئی فرد یا جماعت اس قسم کی سازش میں ملوث ہو تو اس کے خلاف مناسب کارروائی کرے۔ طلوع اسلام کی اس آواز کو دبانے کے لئے سازش یہ کی گئی کہ اسے اس قدر بدنام کر دیا جائے کہ اسے پڑھنا تو ایک طرف سمجھنا یہ جائے کہ اسے ہاتھ لگانے سے بھی ایان جاتا رہے گا۔ اس کے متعلق مشہور کر دیا گیا کہ یہ منکرِ حدیث ہے۔ منکرِ سنت ہے۔ تین نازوں اور نوروزوں کا قائل ہے۔ ایک نیا فرقہ بنک ایک نیا مذہب ایجاد کر

رہا ہے۔ یہ سب بے بنیاد الزامات ہیں لیکن ان کا پراپیگنڈہ اس تسلسل اور شد و مد سے کیا گیا اور کیا جا رہا ہے کہ کوئی شخص ان کے متعلق کسی قسم کی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔ انہوں نے پرتیزی فرقہ کا ایک لیبل تراش رکھا ہے۔۔۔۔۔ یعنی اس فرقہ کا جس کا وجود ہی نہیں۔ انہوں نے جس کے خلاف کچھ کہنا یا کرنا ہو اس پر اس لیبل کو چپکا دیتے ہیں۔ اس سے وہ بوجہ اس قدر متوحش ہو جاتا ہے کہ اس کا سارا وقت اور توانائیاں اپنی صفائیاں پیش کرنے میں ضائع ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ کہ پاکستان کے خلاف بیرونی طاقتوں کی سائنش کے خطرات نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ اسلام کے لئے خطرہ ایک ہی ہے اور وہ ہے طلوع اسلام۔

یہاں ایک اہم سوال سامنے آتا ہے۔ ہمارے ہاں پاکستان میں ایک فرقہ ہے جو اہل قرآن کے نام سے متعارف ہے۔ وہ حدیث اور سنت کا منکر ہے۔ تین نمازوں کا قائل ہے، اور اس کی غازی بھی باقی مسلمانوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کی الگ مسجد ہے اور وہ اپنے ان عقائد اور مسکب کی علامت تبلیغ کرتے ہیں۔ لیکن ہماری مذہبی پیشواشیت کی طرف سے ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننے میں نہیں آتا۔ ان کی مخالفت ہوتی ہے تو طلوع اسلام کی طرف سے ان کے خلاف مضامین لکھے جی بھٹ شائع کیے ہیں تو کیا یہ بات تعجب انگیز نہیں کہ ہماری مذہبی پیشواشیت ان کے خلاف تو ایک حرف تک زبان پر نہیں لاتی اور طلوع اسلام، جو اس فرقہ کی اس شدت سے مخالفت کرتا ہے، اس کے خلاف منکر حدیث، منکر سنت، تین نمازوں، نوروزوں کا دھول پیٹا جاتا ہے! باطنی افسوس یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ طلوع اسلام کے خلاف تین نمازوں اور نوروزوں کا پراپیگنڈہ عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کا حربہ ہے۔ اس کی مخالفت کی وجہ کچھ اور ہے۔ اور یہ معلوم کرنے کے لئے آپ کو تاریخ کے کچھ ورق پھرنے کی طرف پلٹنے ہوں گے۔

جیسا کہ میں اکثر کہا کرتا ہوں، میں سنہ ۱۹۴۷ء کا پاکستانی ہوں جب علامہ اقبالؒ نے اپنے اللہ آباد کے خطبہٴ صدارت میں اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اسلام ایک مذہب نہیں، ضابطہ زندگی ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اپنی آزاد مملکت ہو۔ اس مملکت کا نظام قرآن مجید کی بنیادوں پر استوار ہوگا۔ یہ اعلان خود میر سے ایمان کا تقاضا تھا، اس لئے میر اس سے ہم نوا ہونا فطری امر تھا۔ جب قائد اعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کے اس تصور کو عملی پیکر عطا کرنے کے لئے تحریک مطالبہ پاکستان کا اہم کیا تو مذہبی پیشواشیت کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ قائد اعظمؒ نے ان لوگوں کی مخالفت کی ممانعت کا فریضہ میر سے سپرد کیا اور اس مقصد کے لئے طلوع اسلام کا اجرا عمل میں آیا۔ قرآنی نظام مملکت میں نہ ملوکیت (یعنی سیکولرزم) باقی رہتی ہے، نہ مذہبی پیشواشیت اور نہ ہی نظام سرمایہ داری۔ علامہ اقبالؒ

**ملا شیت کے خلاف** اور قائد اعظمؒ واضح الفاظ میں اعلان کرتے رہتے تھے کہ ان کے پیش نظر قرآن مملکت میں وہ قدر امت پرستانہ اسلام رائج نہیں ہوگا جس کی اجارہ دار ہماری مذہبی پیشواشیت ہے۔ ان کا ارشاد تھا کہ اس مجوزہ مملکت کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کو تقیہ کر لیں گے چھٹرا



جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ الابد سے بھی بہت پہلے مولانا اکبر شاہ (نجیب آبادی۔ مرحوم) کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا۔

آپ نے ٹھیکے آجے کہ پیشہ ور مولویوں کا اثر سرسید احمد خاں کی تحریک سے بہت کم ہو گیا تھا مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولیٹیکل فتوؤں کی خاطر ان کا اقتدار ہندی مسلمانوں میں بھر قائم کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پیر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو پہلے ایک جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔ انشاء اللہ شائع ہو گا۔ مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا۔ بہر حال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہوگی جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ ہندوستان میں بالخصوص آج کل بہت سمجھ سوچ کر قدم اٹھانا ہو گا۔

(انوار اقبالؒ - شائع کردہ اقبال اکیدی - ص ۳۱۷)

انہوں نے ۱۹۳۲ء میں اپنے ایک بیان میں جو روزنامہ انقلاب (لاہور) کی ۲۳ مارچ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، قوم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند فطری، ملاؤں اور فیتہوں کے فرسودہ ادھام میں جکڑی ہوئی ہے آزاد کی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی، بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں، نئی قضاؤں اور نئے نصب العین کی انگلیں کو محسوس کرنے لگ جائے۔ (بحوالہ طلوع اسلام، مئی ۱۹۷۸ء)

انہوں نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ اس قسم کا انقلاب بڑی ذہنی تہذیب و جہد کا متقاضی ہو گا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ "اسلامی دنیا اس کی طرف غور و فکر کی روح کو لے کر آگے بڑھے۔ وہ غور و فکر اسلام کا سب سے پہلا تنقیدی اور حریت پسند قلب ہے۔ وہ جسے رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرأت نصیب ہوئی کہ "حسبنا کتاب اللہ" ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔ (خطبات اقبالؒ)

اقبالؒ سے آگے بڑھ کر قاضی اعظمؒ کی طرف آئیے۔ انہوں نے ۱۹۳۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے نوجوان طالب علموں سے کہا تھا۔

مسلم لیگ نے کم از کم ایک کام تو کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے ہمیں مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر

حزب اقبالؒ اور علامہ ایک الگ، مستقل اور ہم موضوع ہے۔ اس پر میرا تفصیل سے لکھنے کا ارادہ ہے۔



کے چنگل سے چھڑا دیا ہے۔ اور اس خیال کو عام کر دیا ہے کہ جو لوگ خود غرضی کی مفاد پرستانہ کھیل کھیل رہے ہیں وہ قوم کے غدار ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس نے ہمیں اس ناخوش آئند عنصر (UNDESIRABLE ELEMENT) کی جکڑ بند یوں سے آزاد کر دیا کہ جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔ میں یہ بات مولویوں کے پوسے کے پورے طبقہ کے متعلق نہیں کہتا۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو دوسروں کی طرح آزادی پسند اور مخلص ہیں۔ لیکن ایک طبقہ ایسا ہے جو (UNDESIRABLE) ہے۔ اب جو ہم نے حکومت برطانیہ کا نگرہ لیا۔ رجعت پسند طبقہ اور نام نہاد مولویوں سے اپنا پیچھا چھڑا لیا ہے تو میں اپنی قوم کے نوجوانوں سے اپیل کر رہا ہوں کہ وہ ہمارے طبقہ (سوال (غور توں) کو بھی آزادی دلائیں۔ یہ نہایت ضروری ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغرب کی خواہیوں کی اندھا دھند تقلید کریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری مستورات نہ صرف معاشرتی بلکہ ہماری سیاسی زندگی میں بھی ہمارے دوش بدر دوش چل کر ہمارا ساتھ دیں۔ (تقاریر قائد اعظم - حصہ اول - صفحہ ۷۷)

علامہ اقبالؒ نے پاکستان کی جدید ملکیت کے متعلق کہا تھا کہ اس کے نظام کے لئے ہمیں قرآن کافی ہوگا۔ قائد اعظمؒ نے سن ۱۹۳۷ء میں، حیدرآباد (دکن) میں، اس سلسلہ میں فرمایا کہ:-

اسلامی ملکیت کے تصور کا یہ انتہائی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفائیت کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصل نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور ملکیت کی ضرورت ہے۔ (طلوع اسلام - اپریل ۱۹۴۷ء)

ان کی طرف سے اس کی وفاحت کے بعد، ان سے کہا گیا کہ جب آپ کی تحریک اسلامی بنیادوں پر استوار ہے تو مسلم لیگ زیادہ وفاحت اور تفصیل کے ساتھ اپنی حدود و حدود کی مذہبی تعبیر و تشریح کیوں نہیں کرتی۔ آپ کے جواب میں قائد اعظمؒ نے جو کچھ فرمایا وہ بڑا غور طلب ہے۔ انہوں نے کہا کہ:-

وقت یہ ہے کہ جب اس جہد جہد کو مذہب سے تعبیر کیجئے تو ہمارے علماء کی ایک جماعت بغیر اس بات کے سمجھنے کے کہ کام کی نوعیت، تقسیم عمل اور اس کے اصلی حدود کیا ہیں، ان امور کو صرف چند مولوی کا اچارہ خیال کر لیتی ہے اور اپنے حلقہ سے باہر، اہلیت و استعداد کے باوجود سمجھ میں یا آپ میں، یعنی اپنے سوا کسی اور میں، اس خدمت کے سرانجام دینے کی کوئی صورت نہیں دیکھتی۔ حالانکہ اس منصب کی بجا آوری کے لئے جن اجتہادی صلاحیتوں کی ضرورت ہے، انہیں میں ان مولوی صاحبان میں (اللہ ماشاء اللہ) نہیں پاتا۔ اور (مشکل اندر مشکل یہ کہ) وہ اس مشن کی تکمیل میں دوسروں کی صلاحیتوں سے کام لیتے کا سلیقہ بھی نہیں رکھتے۔ (ایضاً)

یعنی قائد اعظمؒ اس خطرہ سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ چونکہ مطالبہ پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے، اگر وہ مملکت حاصل ہوگئی تو یہ لوگ اسلام کے نام کو (EXPLOIT) کریں گے اور اس میں تقصیر کر لیں تو کوشش کریں گے، انہوں نے قوم کو اس خطرہ سے پہلے ہی وارننگ دے دی تھی۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء کو دہلی میں مسلم یونیورسٹی کے کنونشن کے آخری اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

اے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں، ہمارا نصب العین کیا ہے ہمارا نصب العین تقصیر کر لیں نہیں۔ ہم تقصیر کر لیں اسٹیٹ بنانا نہیں چاہتے تھے۔

(نقارہ قائد اعظمؒ - جلد دوم - ص ۳۸۶)

یہ تھا مملکت پاکستان کا وہ تصور جسے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے پیش کیا تھا اور جس کی مخالفت ہماری مذہبی پیشوائیت کی طرف سے اس شدید مد کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور یہی تھی ان کی طرف سے وہ مخالفت جس کی مدافعت کا فریضہ تحریک پاکستان کے دوران اس خاکسار کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت بعض دوسرے گوشوں کی طرف سے بھی ان کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا تھا لیکن اس کی عام نشر و اشاعت کا ذریعہ طلوع اسلام ہی تھا۔ طلوع اسلام نے یہ لڑائی کس بہت اور استقلال سے لڑی، اس کی شہادت، اس کے اس زمانے کے فائلوں سے مل سکتی ہے جو آج بھی موجود ہیں۔ اس جنگ میں ہماری مذہبی پیشوائیت کو شکست ہوئی اور پاکستان وجود میں آگیا۔ اس سے آپ اندازہ فرمایئے کہ طلوع اسلام کے متعلق ان حضرات کے جذبات کس قسم کے ہو سکتے ہیں؛ لیکن یہ تو اس جنگ میں پہلا محاذ تھا۔ اب اگلے محاذ کی طرف آئیے۔

علامہ اقبالؒ، تشکیل پاکستان سے بہت پہلے دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے۔ قائد اعظمؒ جن حالات میں پاکستان تشریف لائے ان کا کچھ اجمالی سا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ ان حالات میں انہیں فرصت کہاں تھی کہ وہ مملکت کے آئینی پہلوؤں کے متعلق کچھ سوچ اور کر سکتے۔ لیکن جس مسئلہ کا ابھی ابھی ذکر کیا جا رہا تھا، ان کے نزدیک اس کی اہمیت اس قدر تھی کہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود انہوں نے اس کی دہانت کر دی۔ انہوں نے فروری ۱۹۴۷ء میں، اہل امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا:-

پاکستان کی مجلس آئین ساز نے ابھی پاکستان کا دستور مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین

**تقصیر کر لیں نہیں ہوگی**

ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہوگا۔ اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح علمی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے میں وحدت انسانیّت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسئلہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تقصیر کر لیں نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزرگم خلیفہ) خدائی مشن کو پورا کریں۔

(نقارہ قائد اعظمؒ - جلد دوم - ص ۳۸۶)

اس میں دو ایک نکات بڑے اہم ہیں (اڈل) قائد اعظمؒ نے یہ اعلان بہ حیثیت گورنر جنرل پاکستان کیا تھا۔ (دوم) یہ اعلان ان مذہبی عناصر کے خلاف جو تھپاکر لیسٹی قائم کرنے کے لئے پاکستان آگئے تھے، کھلا ہوا چیلنج تھا۔ اور تیسرے یہ کہ اس میں اہل اسیریکہ کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا تھا۔ اس میں سبب نہیں کہ قائد اعظمؒ نے کیونسٹوں کو بھی سخت وارننگ دی تھی لیکن اس وارننگ کی ضرورت کہ یہاں تھپاکر لیسٹی قائم نہیں ہوگی، امریکہ جیسے سرمایہ داری نظام کے حامل ملک کو بدرجہ اولیٰ تھی۔ اسی لئے انہوں نے اس کے لئے امریکہ کو بالخصوص مخاطب کیا تھا۔

قائد اعظمؒ مذہبی پیشواؤں کو یہ چیلنج دے کر دنیا سے تشریف لے گئے اور ان کے بعد اس محاذ آرائی کا قرعہ بار دیگر طلوع اسلام کے نام پڑا۔ یہ نزاع، پاکستان میں قرآنی نظام مملکت اور تھپاکر لیسٹی کے درمیان تیس سال سے جاری ہے، جس کا مقابلہ طلوع اسلام یکہ و تنہا۔ بے یار و مددگار۔ بے سازد سامان، محض اپنے جذبہ ایمان کے زور پر، کئے جلا جا رہا ہے۔ اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ مذہب پرست طبقہ کی طرف سے میرے خلاف جو بے بنیاد پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے، اس کا جذبہ محرکہ اور غرض و غایت کیا ہے؟

جیسا کہ میں ابھی کہا ہے، یہ نزاع میرے خلاف ذاتی پرکاش پر مبنی نہیں۔ یہ درحقیقت تھپاکر لیسٹی نظام اور قرآن نظام کے درمیان نزاع ہے۔ میں تو صرف قرآنی نظام عام کرنے کا ذریعہ ہوں۔ میری مخالفت اسی جہت سے جو مذہبی ہے۔ انہوں نے قرآن کی آواز پر ذرائع ابلاغ کے نام دروازے بند کر رکھے ہیں۔ ان میں سے بعض کو روپیہ کے بل بوتے پر خریدا جاتا ہے اور جو خریدے نہیں جاسکتے انہیں مختلف حربوں سے ہراساں کیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ میرا کوئی مضمون یا مکتوب کسی اخبار یا مجلہ میں چھپ نہیں سکتا۔ ہمارے ادارے میں عید میلاد النبیؐ جشن نزول قرآن۔ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی برسیاں اور سالگرہیں۔ یوم پاکستان۔ یوم آزادی۔ یوم مجاہدین وغیرہ پر تقاریب منائی جاتی ہیں لیکن ان میں سے کسی اجتماع کی کوئی مچورٹ کہیں شائع نہیں ہوتی حتیٰ کہ میرے مہفتہ واری درس قرآن مہدی کے اعلیٰ کی اشاعت کے لئے بھی ہزار رشدا دیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا تو خیر ذکر ہی کیا، ملک میں علامہ اقبالؒ، قائد اعظمؒ، تحریک پاکستان کے سلسلہ میں آئے دن تقریبات منائی جاتی ہیں۔ جلسے کئے جاتے ہیں۔ ان میں کبھی آپ نے میرا نام نہیں دیکھا ہوگا، حالانکہ (میں) تعلقی کے طور پر نہیں بلکہ ایک امر واقعہ کے اعتبار سے عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ) ملک میں اب بہت کم ایسے حضرات ہوں گے جنہوں نے پیغام اقبالؒ، نظریہ پاکستان، دو قومی فطریہ، اسلامی مملکت کے تصور وغیرہ کی نشر و اشاعت کو میری طرح زندگی کا مشن قرار دے رکھا ہو یا جو تحریک پاکستان کے رضا کار اور مددگار ہوں۔

تحریک پاکستان کی پوری تاریخ میرے سینے میں ہے۔ کیونکہ میں اس میں شریک رہا ہوں۔ لیکن اس کے باوجود خاص احتیاط برتی جاتی ہے کہ ان تقاریب میں، میں نہ بار پاسکوں۔ یہ کچھ اتفاقیہ نہیں ہو رہا۔ ایک خاص اسکیم کے تحت منظم طور پر کیا جا رہا ہے۔ مقصد اس سے یہ ہے کہ ان لوگوں کی طرف سے اسلام اور پاکستان کے خلاف جو سازش کی جا رہی ہے، وہ بے نقاب ہونے پائے۔ لیکن یہ ان کی کوتاہ بینی اور خود فریبی ہے۔ وہ ان مذاہمیرے میرے ہاتھ کو تو اپنے نقاب تک پہنچنے سے روک سکتے ہیں، نہ ان کے ہاتھ کو نہیں روک سکتے۔ اس کے ہاتھ بڑے چبے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ ان ہاتھوں نے کس طرح انسانوں کے



خود ساختہ نظاموں کی بنیادیں متزلزل کر دی ہیں۔ اس لئے قرآن کی آواز نہ کبھی رکھی ہے، نہ رکھے گی۔

پہلی نکتہ تاب مستوری نہ دارند چودہ بندی، نہ وزن سر برارند

خدا نے علیم و بصیر نے بہت پہلے بتا دیا تھا کہ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْزَابِ وَالْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اٰمَنَآلِ الشَّاكِيْنَ بِالْبَاطِلِ وَ اَيُّضًا مِّنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ..... (سجہ)۔ یاد رکھو! ان علماء و مشائخ (نہ یہی پیشواؤں) کی اکثریت کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھا جاتے ہیں اور انسانیت کو خدا کی طرف لے جانے والے راستے میں روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں..... لیکن، سَمَاعِيْطُ عُوْثُ اٰیَاتِ الْمَنِيِّ يَنْتَكِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ بَعِيْرَ الْحَقِّ..... (سجہ) "یہ لوگ جو حق کو چھوڑ کر، اپنی کبر بائی کی دھاک بٹھانا چاہتے ہیں، انہیں راستے سے ہٹا دیا جائے گا اور یہ سب خدا کے قانون کی رو سے ہو گا۔ قانون خداوندی کے ان دیکھے ہاتھوں کو زمانے کے تقاضے کہا جاتا ہے جن کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکتی۔ اس کے سامنے نہ کوئی فرعون ٹھہر سکتا ہے نہ ہامان۔ نہ سامری اس کے راستے میں حائل ہو سکتا ہے نہ قارون۔ وَاللّٰهُ مُتَعَدِّ لِنُورِهِمْ وَ لَوْ كُنِيَ السَّكَّانُ فَدُوْنَ (سجہ)۔ اس نزاع میں میرے پیش نظر کوئی ذاتی مفاد نہیں۔ تشکیل پاکستان کے وقت، قائد اعظم نے، اندر و عافیت مجھ سے فرمایا تھا کہ جس مملکت کے قیام کی خاطر تم نے اس قدر جِد و جہد کی تھی وہ اب جو فقیع ایزدی، وجود میں آگئی ہے اس میں تم جو منصب لینا چاہو، اس کی نشاندہی کر دو۔ میں نے ان کی اس نوازش خسروانہ کا دلی مشکور ادا کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے تحریک پاکستان میں جو حقیر سی خدمات سر انجام دی تھیں وہ ایک دینی فریضہ کی ادائیگی تھی جس کا میں کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں لینا چاہتا۔ میں جس کرسی پر ہندوستان میں بیٹھا تھا، اسی پر پاکستان میں بیٹھوں گا۔ چنانچہ میں اسی کرسی پر بیٹھا اور اسی سے دنیا ٹرنٹ لے لی۔ میں نے یہاں نہ کوئی الاٹ منٹ لی۔ نہ لائسنس۔ نہ پرمٹ۔ نہ کوئی جائداد کھڑی کی۔ نہ دولت سمیٹی۔ نہ کوئی سیاسی پارٹی بنائی۔ نہ عملی سیاسیات میں حصہ لیا۔ نہ کوئی مذہبی فرستہ پیرا کیا۔ نہ عام مسلمانوں سے الگ کوئی مذہبی راہ تراشی۔ ایک سیدھے سادے مسلمان کی طرح دو دیشاندہ زندگی بسر کی اور اس مقصد کے حصول کے لئے بساط بھر مسلسل جِد و جہد کرتا رہا جیسے میں، خدا کی طرف سے عائد کردہ، اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں۔ یعنی پاکستان میں قرآنی نظام کا قیام۔ میں جانتا ہوں کہ قرآنی نظام کی دعوت کتنی بڑی انقلابی دعوت ہے اور اس کے داعی کی راہ کیسے بہت مشکل تصادمات اور حوصلہ فرسا مشکلات سے بھٹی ہوتی ہے۔ مجھے اس کا پورا پورا احساس ہے کہ (جیسا کہ میں اس سے پہلے بھی لکھی بار کہ چکا ہوں)۔

دنیا میں جو شخص مرقبہ عقائد و نظریات کی تائید کے لئے اٹھتا ہے، بغیر تحقیق کے کہ وہ صیح ہیں یا غلط، اس کے لئے زندگی کی راہیں بڑی آسان ہیں اور

## ایک انقلابی کی راہ

خوش خرامیوں کی راہیں ہوتی ہیں۔ ہر وادی کھشاں ہار اور ہر گوشہ زعفران زاد۔ وہ جب پہلے دن اپنی آواز بلند کرتا ہے، تو لاکھوں اکروڑوں انسانوں کو اپنا ہم نوا پاتا ہے۔ وہ جب اوجہ جہاں اپنے سامعین سے خطاب کرتا ہے تو ان میں سے ہر متنفّس..... یہ سمجھتا ہے کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!



وہ جب ان شرارت رسوم و مسالک کی تائید میں (بزعیم خویش) دلائل و براہین پیش کرتا ہے۔ اور دنیا میں کرنا عقیدہ اور تصور ایسا ہے جس کے حق میں عقل حیلہ و دلائل نہیں تلاش سکتی۔ تو عوام کا گرد و غلیم اسے اپنے مہم کا سب سے بڑا مفکر قرار دیتا ہے۔ وہ جس طرف سے گزرے، ہزاروں انسان اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس طرح وہ ان کا ستر لیڈر بن جاتا ہے۔ عقیدت مند اس کے لئے دیرہ دل فرس راہ گزرتے اور اس کے حضور سر نہایت خم کرتے ہیں۔ ہر طرف سے اس پر چھوڑوں کی بارشیں ہوتی ہیں۔ ہر سمت سے ”زندہ باد“ کے نلک برس نروں سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے دنیا بھر کے سامانِ ماحبت و آسائش بھیا کیا جاتے ہیں۔ متبعین اس کے جلد میں اور خدام اس کی بارگاہ میں دست بستہ ایستادہ رہتے ہیں۔ اس کے سب کام بلا مزد و معاوضہ ہوتے ہیں، کیونکہ ہر متعقد اس کی خدمت کو موجب ہزار ثواب اور باعث صد ہزار سعادت سمجھتا ہے۔ وہ جس شخص یا گروہ کو اپنا حریف خیال کرتا ہے اسے کچلنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کرنا پڑتا کہ اسے باطل پرست اور فتنہ پرداز قرار دے کہ اس کی مخالفت کو ”جہاد فی سبیل اللہ“ سے تعبیر کر دے اور اس طرح عوام کے جذبات کو اس کے خلاف مشتعل کرتا رہے۔ اس مہم کے سر کرنے کے لئے دولت کے ڈھیر اس کے قدموں میں لگ جاتے ہیں اور رضا کاروں کی جماعتیں اس کے اشارہ پر جہان ملک دینے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں۔ اب وہ مفکر کے ساتھ مجاہد بھی بن جاتا ہے اور ایک مہیب قوت کا مالک۔ اسی قوت کے بل بوتے پر وہ دوسرے دل کو ڈرا کر دھمکا کر اپنے سب کام نکالنا رہتا ہے۔ ارباب سیاست و اقتدار (خواہ وہ ملک کے اندر ہوں) یا بیرونی سلطنتوں سے متعلق) یہ دیکھ کر کہ اس کا عوام پر کس قدر اثر ہے، اس سے روابط اور مراسم قائم کرنے میں اپنے مفاد مضمر دیکھتے ہیں۔ اس طرح اسے مذہبی راہ نما ہونے کے ساتھ سیاسی اقتدار بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور بے پناہ دولت بھی، جس کے بل بوتے پر وہ جو جی میں آئے کرتا اور کرتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس اس شخص کی حالت پر غور کیجئے جو عوام کی دھم میں بہنے کے بجائے زمانے کے دھارے کا رخ صحیح سمت کی طرف موڑنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ مروج عقائد اور موروثی نظریات میں سے ایک ایک کو لیتا ہے اور انہیں عزیز متبدل معیار (قرآن مجید) پر پرکھ کر، حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے۔ وہ جب عوام کے کسی غلط عقیدہ یا مسدک کے خلاف لب کشائی کرتا ہے تو بھری محفل میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے۔ اس کا کوئی عزم اور کوئی ہمنوا نہیں ہوتا۔ اسے کوئی ایک ساتھی بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس کی تائید کے لئے اس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ وہ تنہا اٹھتا ہے۔ تنہا چلتا پھرتا ہے، اور اس تنہائی سے گھبرا کر اپنے رب سے فریاد کرتا ہے کہ:۔

عزیم در میان محفل خویش      تو خود گوا کہ گویم مشکلی خویش

اذن از رسم کہ پہاں شود خاش      غم خود را نگویم بادل خویش!

وہ اپنے پیغام کو لے کر، کوہ کو، وہ بدہ، قرہ بہ قرہ پھرتا اور ہر ایک سے کہتا ہے کہ:۔

ہیا ویر گر اس جاود سخندانے      غریب شہر سخن دئے گفتنی دارد

لیکن کوئی اس کی آواز پر کان نہیں دھرتا۔ وہ تھک کر بیٹھ جاتا اور گہری سوچ میں ڈوب کر اپنے آپ سے کہتا ہے کہ :

من شاید غشیں آدمم از عالمے دیگر !

لیکن اس کے پیغام کی صداقت اور اس صداقت پر اس کا یقین محکم اسے مایوس نہیں ہونے دیتا۔ وہ پھر اٹھتا ہے اور باندازِ دیگر اپنا پیغام دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے قریب آتے ہیں اور اس کی اہمیت میں اسے لگاتے ہیں۔ لیکن وہ انہیں متنبہ کرتا ہے کہ اس راستے پر سوچ سمجھ کر قدم رکھنا۔ میری ہم نوائی دنیا بھر سے لڑائی مول لینے کے مرادف ہے۔ وہ ان سے کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ :

زمرغان چمن نا آستنائیم      بشاخ آسشیاں تنہا سرائیم

اگر نازک دل از من کراں گیر      کہ خوشم می تراود از ندرائیم !

وہ اپنے پیغام کو اسی طرح دہرائے چلا جاتا ہے تا آنکہ وہ (پیغام) فضا میں اپنے نقوش مرتب کرنے شروع کر دیتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کو خطرہ محسوس ہوتا ہے جو اس کی اس انقلابی دعوت میں اپنی مفاد پرستیوں کی تباہی دیکھتے ہیں۔ وہ اس کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ مخالفتوں کے اس جہوم کے مقابلہ میں اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے اور اپنے اللہ سے دعا کرتا ہے کہ :

یا پرستارانِ مشب دارم ستیز      باز روغن در چسپداریغ من بریز

حضرات انبیاء کرامؑ دنیا میں سب سے بڑے داخلی انقلاب ہوتے تھے۔ وہ ہر حاضر و موجود کو، خواہ اس کے ساتھ کتنی ہی مقدس نسبتیں کیوں نہ وابستہ ہوں، تنقیدی نگاہ سے دیکھ کر، مستقل اقدار کی کسوٹی پر پرکھتے اور جو کچھ اس پر پور نہ آتا اس کے متعلق اپنی قوم (حتیٰ کہ خود اپنے اہل فائزان تک) سے برملا کہہ دیتے کہ : مَا هَلْ لَّكَ الشَّامِلُ الْمُسْتَعِيَّ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ (سجہ) وہ انہیں گڑا کر کہتے کہ : أَفَ تَكْفُرُوا بِمَا تَعْبُدُونَ۔ (سجہ)

سلسلہ انبیاء کرامؑ، نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس جو اعظم پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔ لیکن جس آسمانی انقلاب کی طرف وہ دعوت دیتے تھے، وہ قرآن کی شکل میں قیامت تک باقی رہے گا۔ لہذا اب دعوتِ انقلاب علیٰ منہاجِ نبوت کے معنی ہیں، دعوتِ اِلَى الْقُرْآن۔ رسول اللہؐ نے جب قرآن کی طرف دعوت دی تو ہر طرف سے اس آواز کی مخالفت ہوئی۔ انہی مخالفین میں وہ اہل کتاب بھی تھے جن کے لئے یہ آواز نئی نہیں تھی۔ انہیں حضورؐ بار بار کہتے کہ : مَا كُنْتُ بِدَعَاِ مَنِ الْمُرْسَلِينَ (سجہ) میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں۔ نہ ہی جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کوئی نئی بات ہے۔ بَلْ مِلَّةَ آبَائِهِمْ هَنِيفًا (سجہ) یہ اسی مسلک کی طرف دعوت ہے جسے تمہارے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے پیش کیا تھا۔ اس لئے لَا تَكُونُوا أَقْدَمَ كَا فِبِہ (سجہ) تمہیں توبہ زیب نہیں دیتا کہ تم ہی سب سے پہلے اس دعوت سے انکار کر دو اور اس کی مخالفت پر اتر آؤ۔ لیکن ان دلائل و براہین کو کون سننا تھا؟ انہوں نے مخالفت کی اور جی بھر کر مخالفت کی۔

حضورؐ کے بعد، بعینہ یہی صورت ہر اس داعی انقلاب کے ساتھ پیش آئے گی جو قرآن کی طرف دعوت دینے کے لئے اٹھے گا۔ وہاں مخالفت سابقہ اہل کتاب کی طرف سے تھی۔ اب وہی مخالفت خود مسلمانوں کی طرف سے ہوگی، حالانکہ یہ اٹھتے بیٹھتے اسی قرآن کو زندگی کا واحد منابطہ قوانین اور خدا کی طرف سے بھیجی ہوئی آخری اور مکمل ہدایت بھی کہتے ہیں۔ یہ بات بظاہر بڑی تعجب انگیز اور حیرت افزا نظر آتی ہے کہ ایک قوم ایک کتاب پر ایمان کی مدھی ہو لیکن جب اسے اس کتاب کی طرف آنے کی دعوت دی جائے تو وہ اس دعوت کی شدید ترین مخالفت کرے۔ اس مخالفت میں ہر اول دستہ مذہبی پیشواؤں و اہل اور ہمان کا ہوتا ہے۔ کیونکہ آسمانی انقلاب کی زد سب سے پہلے انہی پر پڑتی ہے۔

ان حالات میں آپ اندازہ لگا لیجئے کہ ایک داعی الی القرآن کو کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ کس طرح ان تمام آسائشوں اور راحتوں سے محروم رہ جاتا ہے جو دوسرے عامہ کی تائید کرنے کی صورت میں پکے ہوئے پھل کی طرح اتر خود اس کی جھولی میں آگرتی تھیں۔ وہ صرف ان آسائشوں اور راحتوں کا سے محروم نہیں رہتا بلکہ ہر طرف سے بدظن و تشیع اور مود و سب و شتم بھی بنتا ہے۔ یہ سب اس جرم کی پاداش ہیں کہ: **ثُمَّ لَنَزِيدَنَّ لَكَ مِنْهُم مَّا أُتِيَكَ مِنْ رَبِّكَ وَلَئِن شِئْنَا لَآتِيَنَّكَ مِنْ رَبِّكَ آيَاتٌ فَكَانُوا اسْمَاعِلَ**۔ اور **إِن شِئْنَا لَنُكَفِّرَنَّ عَنْكَ سَيِّئَاتِكَ وَلَئِن شِئْنَا لَنُضَاعِفَنَّ لَكَ أَثِمَاتِكَ**۔ اس کے سوا کسی کارساز کا اتباع مت کرو۔ میری دعوت یہی ہے اور اسی کی پاداش میں میرے ساتھ وہ کچھ ہو رہا ہے جو ہر داعی انقلاب کے لئے مقدر ہے۔

لیکن میں نے نہ اس مخالفت کا کبھی کوئی اثر لیا۔ نہ اس سے پریشان ہوا۔ نہ مایوس۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ انسان پریشان ان مشکلات کی وجہ سے ہوتا ہے جو کسی ایسے پروگرام کی پیدا کردہ ہوں جسے اس پر زبردستی لا دیا گیا ہو اور اس سے پیچھا چھڑانا اس کے لئے ممکن نہ ہو۔ جس مذہب کو انسان خود اپنی مرضی سے اختیار کرے اور جس وقت جی چاہے اسے چھوڑ سکے، اس کے راستے میں آنے والی مشکلات اور مصائب سے تنگ پڑنے یا نہ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے، قرآنی نظام کا قیام میرا جزو ایمان اور میری زندگی کا وہ مقصد اور مشق ہے جسے میں اپنے دل و دماغ کی کامل رضامندی سے، فریاد و خداوندی کے طور پر، بطیب خاطر اختیار کر رکھا ہے۔ اس لئے اس کار راہ میں آنے والی مشکلات سے حوصلہ ہارنے یا دل برداشتہ ہونے کے معنی کیا؟ یہاں تو ہر مشکل کے سامنے آنے کے وقت تدبیر عمل یہ ہوتا ہے کہ: **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ**۔ میں نے اپنے آپ کو اللہ کے مقرر کردہ مقصد کے حصول کے لئے وقف کر رکھا ہے، اس لئے میرا ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھے گا۔ یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ۔۔۔ بڑھتا ہے اور ذوق گستاخاں سزا کے بعد۔۔۔ پھر اس کے ساتھ میرا کوئی ذاتی مفاد بھی وابستہ نہیں کہ اس کے نقصان کے احساس سے مجھے پریشانی لاحق ہو۔ اس لئے، اجازت دیجئے کہ میں، اس مرد قلندر کی ہم نوائی میں، جس نے صبر و اقل کے بعد پہلی مرتبہ قرآنی نظام زندگی کا تصور پیش کیا تھا، یہ کہنے کی



جراثیم کرول کہ

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق  
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں میگائے بھی ناخوش  
مشکل ہے کہ اک بندہ حق بین دحق اندیش  
ہوں آتش فرد کے شعلوں میں بھی خاموش  
نہ ابد مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند  
میں نہ ہر بلا ہل کو کبھی کہ نہ سکاقتند  
خاشاک کے تودے کو کچے کوہ دماوند  
میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند  
آزاد و گرفتار وہی کیسہ و غور سند

ہر حال میں میرا دل سب سے قید ہے محسوس

کیا چھینے گائے سے کوئی ذوقی فکر قند

نہ پریشاں نہ مایوس

باقی رہا کہ یکن مایوس نہیں ہوں تو اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ ہم مایوس اس وقت  
ہوتے ہیں جب ہم اپنے اوپر از خود ایسی ذمہ داری عائد کر لیتے ہیں جو  
در حقیقت ہماری ذمہ داری نہیں ہوتی اور جب وہ ذمہ داری پوری نہیں ہوتی تو ہم مایوس ہو جاتے ہیں۔  
ہم تو ایک طرف، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرمؐ سے فرمایا تھا کہ: **لَيْسَ عَلَيْكَ هَذِهِ الْأَهْوَ (۲/۲۲۶)**  
”تیرا فریضہ اتنا بھگے کہ تو انہیں بتا دے کہ صمیم راستہ کونسا ہے؟ انہیں اس راستے پر چلانا تیری ذمہ داری  
نہیں۔“ میری ذمہ داری یہ نہیں کہ میں یہاں قرآنی نظام قائم کر کے رہوں۔ میری ذمہ داری اتنی ہے کہ میں بتا دوں  
کہ قرآنی نظام کیا ہے اور وہ کس طرح قائم ہو سکتا ہے۔ جہاں تک میری اس ذمہ داری کا تعلق ہے، میں مطمئن ہوں  
کہ میں نے اسے، اپنی بساط کے مطابق پوری طرح ادا کیا ہے (اور کئے چلا جا رہا ہوں) میں گذشتہ پچاس سال  
سے، قرآنی فکر کے سمجھنے اور سمجھانے میں مصروف ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک ایک سانس اس کے لئے  
وقف کر رکھا ہے۔ اور اس احساس سے میرا سر نیاز بدرگاہ رب العزت جھک جاتا ہے کہ میں نے قرآنِ خالص  
کے سلسلہ میں انفرادی طور پر جتنا کچھ مرتب اور مدون کر دیا ہے ہماری ہزار سالہ تاریخ میں اس کی مثال  
نہیں ملتی۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ فکر قوم کے سمجھنے سوچنے والے طبقہ کے دل و دماغ میں  
جس کثرت اور سرعت سے گھر کئے جا رہی ہے۔ اس کی مجھے توقع ہی نہ تھی۔ جب میں نے یہ آواز بلند کی تھی تو  
میں بالکل تنہا تھا۔ اور اب بتوفیقِ الٰہی یہ آواز پاکستان ہی میں نہیں، بیرونی ممالک تک کے گوشے گوشے میں  
وجہ فرخ فیدہ دل ہو رہی ہے۔ کیا یہ حقیقت، ایسی پیدا کرنے کا باعث ہے بلاترہ تناؤں اور نئے دلوں  
کی بہار آفریں دنیا کے دروازے کھولنے کا موجب! میری عمر بھر کی جگہ کا دیوں اور دلسوزیوں کا جذبہ محرکہ  
ایک شدید احساس ہے جو مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہیں ہونے دیتا۔ قرآنِ کویم نے  
اپنے مخصوص محاکاتی انداز میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن، ہر قوم بارگاہِ خداوندی کے سامنے سے گذرے گی اور  
اس کا سربراہ اس کا تعارف کرائے گا۔ جب ہماری قوم کی باری آئے گی تو ہمارے رسول (نبی اکرمؐ) ہمارا تعارف  
ان الفاظ میں کریں گے۔

وَقَالِ الرَّسُولُ يَرْبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَآثُومًا۔ (سجہ)



اور رسول کہے گا۔ اے میرے رب! یہ میری قوم ہے جس نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

یہ آیت جلیلہ جب بھی میرے سامنے آتی ہے میرے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ میں تڑپ اٹھتا ہوں۔ میری انتہائی آرزو اور کوشش ہوتی ہے کہ قرآن کے ساتھ واسطہ رہ کر زندگی گزار دوں۔ شاید اس طرح میرا شمار اس گروہ میں نہ ہو جس کے متعلق حضور نبی اکرم خدا سے اس طرح شکا بہت کریں گے۔ یہ ہے وہ احساس جو مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی تسک بالقرآن سے غافل نہیں ہوتے دیتا۔

اب دہیہ سوال کہ پاکستان میں قرآنی نظام کا قیام عمل میں نہیں آسکا، تو یہ چیز (معاذ اللہ) قرآنی نظام کی ناکامی کی دلیل نہیں۔ قرآن مجید کے متعلق قرآن بھیجنے والے نے کہہ رکھا ہے کہ یہ ضابطہ حیات، مکمل بھی ہے۔ غیر متبدل بھی اور محفوظ بھی۔ اور اسے تمام نظام جیسے عالم پر غالب آکر رہنا ہے۔ انسانوں کے خود ساختہ نظاموں کو اصولی طور پر تین شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ — ملکیت یا سیکورازم (یعنی انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی کھلی کھلی حکومت) — اختیار کر لیں (یعنی انسانوں کے وضع کردہ قوانین کی خدا کے نام کی آڑ میں حکومت)۔ اور نظام سرمایہ داری۔ دنیا رفتہ رفتہ ان تینوں نظاموں سے تنگ آتی جا رہی ہے اور ان خود ساختہ ستونوں کو خود اپنے ہاتھ سے منہدم کئے چلی جاتی ہے۔ ان میں سے ہر شعبہ کے گرنے سے، قرآنی نظام کے لئے راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں قرآنی نظام کی کامیابی کے متعلق، کسی خاص خطہ، زمین یا تاریخ کے کسی خاص دور کے حوالے سے نہیں سوچنا چاہیئے۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ عالمگیر انسانیت کا رخ کس سمت کو ہے۔ اس رخ کے جو اقوم و ملل کے اختفا سے بے نیاز اور زمان و مکان کی حدود و قیود سے بلند و بالا ہے، واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ:-

إِنْ تَقُولُوا أَرْبَابًا غَيْرَ اللَّهِ يَكُونُوا أَمْتًا لَّكُمْ (۲۴)

اگر تم نے قرآن سے اسواض برتاؤ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم سے آئے گا اور وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔

قرآن کریم نے یہاں کہا ہے کہ جو قوم تمہاری جگہ سے گی (یعنی قرآنی نظام قائم کرنے کی اہل ہوگی) وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں کہ اُن انسانوں کی شکل و صورت تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ شکل و صورت کے اعتبار سے تو سب انسان کم و بیش ایک جیسے ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس قوم کے نظریات زندگی، تصورات حیات، مقاصد و مطالب، نصب العین، (ایک لفظ میں) ان کا ایمان اور اس ایمان پر شغف، ان کی سیرت و کردار تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہزار برس سے ہم پر ذہنی جمود اور فکری تعطل طاری ہے۔ علم و بصیرت، خور و تدبیر، فکر و شعور، تحقیق و تمیز، ہم پر سب حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ دنیا کہیں سے کہیں چلی گئی ہے اور ہم ٹھٹھکے ہوئے وہیں کے وہیں کھڑے ہیں۔ ہمارے ہاں سب سے بڑی خوبی اسے تصور کیا جاتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے کس قدر مشابہ ہیں۔ ہمارے اسلاف کا یہ ماڈل اس ماحول میں مرتب ہوا تھا جو ملکیت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہم ابھی تک اسی ماحول میں زندگی بسر کر رہے ہیں، اور اسی پر فخر کرتے ہیں۔

قرآن، آخرت (مستقبل) کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے اور ہم ماضی کے دھندلوں میں کھوٹے رہتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ : ”مَنْ اسْتَوَى يَوْمَ مَآذٍ مَضَىٰ“ جس کے دونوں ایک جیسے گزر گئے ، سمجھ لو کہ وہ تباہ ہو گیا۔ اور ہم ہیں کہ ہماری صدیاں ایک جیسی گزر چکی ہیں اور ہم مست ہیں۔ یہ زندگی انسانی سطح کی نہیں حیوانی سطح کی ہے۔ بکری آج بھی ویسی ہی ہے جیسے دس ہزار سال پہلے تھی۔ لیکن قرآن کی رو سے، انسان کی ہر نسل کو سابقہ نسل سے ایک قدم آگے ہونا چاہیے۔ اس طرح کہا جاسکے گا کہ ہماری موجودہ نسل، سابقہ نسل کے مثل نہیں۔

تشکیل پاکستان کے بعد میں نے سب سے پہلے یہ آواز بلند کی تھی کہ ہم، (سابقہ نسل کے افراد) جیسے کچھ بھی وہاں سے آئے ہیں، ان میں تبدیلی آنا مشکل ہے۔ ان کے ذمے اتنا فریضہ عائد کر دو کہ یہ اس مملکت کی سرحدوں کو محفوظ رکھ سکیں۔ لیکن ہماری نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرو کہ وہ ”ہماری مثل“ نہ ہو۔ ان کی ذہنیت ان کا تصور حیات۔ ان کا نصب العین زندگی۔ یعنی ان کا ایمان۔ قرآن کے قالب میں ڈھل کر ہم سے مختلف ہو۔ وہ ایسی قوم ہوگی جو (قرآن کے الفاظ میں) ”لَا يَكُونُ لَكُمْ أَمْتًا لَّكُمْ“ کے معیار پر پوری اترے گی۔ وہ قرآنی نظام قائم کرنے کی اہل قرار پائے گی تو ہماری جگہ لے سکے گی۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو خدا کے اہل قانونی استبدال قومی کے مطابق ہمیں مٹا دیا جائے گا اور ہماری جگہ کوئی ایسی قوم لے لے گی جو ہمارے جیسی نہیں ہوگی۔ میں تیس سال تک برابر یہی چیخا پکارا تا دم، لیکن میری کسی نے نہ سنی۔ بلکہ یوں کہتے کہ قرآنی نظام کے مخالفین نے ایسا انتظام کیا کہ میری یہ آواز کسی کے کان میں پڑنے نہ پائے۔ اور اگر پڑ جائے تو وہ اسے درخور اعتناء نہ سمجھے۔ وہ طرے کہ اس سے اس کا ایمان نہ خراب ہو جائے۔ تیس برس کا عرصہ گزر گیا اور ہم اپنے جیسی (بلکہ بعض گوشوں میں اپنے سے بھی بدتر) قوم پیدا کرتے چلے گئے۔ ان حالات میں یہاں قرآنی نظام قائم ہونے کا کیا امکان ہو سکتا ہے۔ ہم تو غیر مسلموں کے مقابلہ میں بھی قرآن سے زیادہ دور ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر اس خطہ زمین میں قرآنی نظام قائم نہ ہوا تو اس سے انتہائی صدمہ ہوگا۔ لیکن خدا کا قانون مکافات انسانی جذبات سے متاثر نہیں ہوتا۔ لَا يَخَافُ عَصْفِبْهَا (۹۱)۔ اپنے قانون کو نافذ کرتے وقت خدا کا ہاتھ کانپا نہیں کرتا۔ اس نے اس خطہ زمین کو ہمیں مرحمت کرنے وقت واشکاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ : لَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (۹۲) ہم دیکھیں گے کہ حصول مملکت کے بعد تم کس قسم کے کام کرتے ہو۔ اگر ہم خدا کی اس نعمت کبریٰ کے ناسپاس گزار ہو گئے تو وہ ہم سے اس نعمت کو چھین لے گا اور ہماری جگہ کوئی ایسی قوم لے لے گی جو اس کی اہل ہوگی۔ اقبالؒ کے سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے الفاظ ہیں : ہ

زخمہ زانے اثر افتد اگر آسماں دارد ہزاراں زخمہ درد

ذکر حق از آفتاب آمد غنی از زمان و از مکان آمد غنی

حق اگر اندہ پیش ما بردار دیش

پیش توئے دیگرے بگزار دیش !

متعلق طور پر تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کوئی قوم ہے جس کے حصے ہیں یہ سعادت آئے گی لیکن اقدام مغرب کا اضطراب اس حقیقت کا غماز ہے کہ وہ حاضر موجود سے تنگ آکر کسی نظام کو تلاش میں ہیں۔ حاضر موجود سے بیزار ہونا وہ کفر بالطاغوت (باطل سے بیزاری) ہے جسے قرآن نے ایمان باللہ کی منزلی اذنیوں قرار دیا ہے۔ وہ قومیں اپنے اپنے فرسودہ مذاہب سے بہت پیٹے سے بیزار ہو رہی ہیں۔ ان کے متعلق وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکی ہیں کہ:-

یہ تمام مذاہب ٹوٹی ہوئی کشتیاں ہیں جنہیں حوادثِ زمانہ کے طوفانوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ساحل پر چھینک دیا ہے سب اپنے اپنے تقدس کی چادروں میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ اطمینان بخش نے وجود حقیقت فریب نفس کا دوسرا نام ہے) ان کے متبعین کی آنکھوں میں دھول چھونک رکھی ہے۔ (جس کی وجہ سے انہیں حقیقت نظر ہی نہیں آسکتی) ان کے عقائد و نظریات کے زندگ سے ان کے انکار و اعمال کے قبضوں کو اس قدر جام کر دیا ہے کہ ان میں اب حرکت کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔ یہ لوگ قدامت پرستوں کے کوڑوں سے اس قدر ڈر رہے ہیں کہ ان میں بہت کم ایسے ہیں جو سمجھ اور سوچ سے کام لینے کی جرأت کر سکیں۔

(PROF: HOCKING - LIVING RELIGIONS AND A WORLD FAITH)

انسانوں کے وضع کردہ مذہب کے بندھنوں سے آزاد ہونے کے بعد جس قسم کے نظام کا تصور ان کے ضمیر میں پہلو بدل رہا ہے، اس کا اظہار وہ کچھ اس قسم کے الفاظ میں کرتے ہیں:-

(وہ نظام) انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے گا۔ اس کی سب بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عالم گیر ہوگا اور منتشر انسانیت کو ایک وحدت میں منسلک کر دے گا جو مشرق و مغرب کی تمام تعلیمات کا مہمیں ہوگا۔ وہ عقل و بصیرت پر مبنی ایسا قابل عمل ضابطہ حیات دے گا جو علوم سائنس سے ہم آہنگ ہو۔ وہ انسان کو اس قابل بنادے گا کہ وہ خارجی کائنات اور خود اپنی ذات کے ساتھ ہم آہنگ رہ سکے۔ اسی نظام کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ نوع انسان کا مذہب بن سکے۔

(ERICH FROMM - THE SANE SOCIETY)

ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظام انہیں قرآنِ عظیم کے سوا کہیں نہیں مل سکتا۔ یہ حقیقت نشیدِ جانفزا ہے کہ اب وہاں کے اربابِ فکر و نظر نے اپنی توجہات کا رخ قرآن کی طرف مبذول کیا ہے۔ اس سے امید بندھتی ہے کہ وہاں کوئی ایسی قوم ابھرے جو "لَا يَكُونُوا أَمْثَلَكُمْ" کے معیار پر پوری اترے۔ وہی قوم انسانیت کی نجات کی ضامن ہوگی۔

محبت کرنے والے کم نہ ہونگے تیری محفل میں مکیں ہم نہ ہوں گے